حیاتِ اُمّ المومنین

سیّدہ عائشہ صدّیقہ

تعداد ۱۰۰۰ قیمت ۴ روپیہ ۱۹۸۴ء

فہرست

پیدائش	عمر کا تعین
پرورش	عظمت صدیقہ
مہدیٔ اوّل	حسنِ انتظام
تربیت	نفرت کی وجہ
منگنی	آلِ محمد
مقاطعہ	داماد باپ بن گیا
حقِ دوستی	افک
ہجرت	بی جمالو
فلسفۂ آلِ محمد	جنگِ جمل کا پس منظر
اہلِ بیت کی مراجعت	عائشہ و علی
آپ کی شادی	خلاصہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادائے قرض

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ صلوٰۃ اللہ علیہا۔ کو ام المومنین کا خطاب اللہ تعالیٰ نے دیا۔ اور صدیقہ کا لقب اللہ کے رسولؐ کا عطیہ ہے اُم المومنین کے معنی ہیں "اہل ایمان کی ماں" یعنی اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ بہت سے مزدکی۔ مانوی مشرک اور کافر مسلمان بنکر اسلام کو رسوا کرنے کھڑے ہو جائیں گے اور امت میں انتشار پیدا کریں گے۔ اس لئے ام المسلمین نہیں فرمایا۔

ام المومنین سیدہ صدیقہ نے اپنے بیٹوں کو سکھایا تھا کہ زندگی میں کامیابی، کامرانی اور اللہ کی نصرت حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہمیشہ سچ بولو خواہ کوئی خفا ہو یا خوش۔ ساری دنیا تمہاری دشمن بن جائے تب بھی تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکے گی۔ آپ نے فرمایا:۔

من التمس رضی اللہ بسخط الناس رضی اللہ عنہ وارضی عنہ الناس۔

یعنی جو شخص اللہ کی خوشنودی کے لئے عوام کو ناراض کریگا اللہ اس سے خوش ہوگا۔ اور بالآخر عوام کو بھی اس سے راضی کر دے گا۔

مثال کے طور پر اپنے رسولؐ کو دیکھو انہوں نے لاالٰہ الا اللہ کا نعرہ لگا کر دنیا بھر کے مشرکوں اور بُت پرستوں کو ناراض کر لیا۔ جو اپنے دیوی دیوتاؤں بزرگوں، پیروں اور ولیوں کو پوجتے تھے۔ مگر اللہ اپنے رسولؐ سے خوش تھا۔ اُس نے چند برسوں میں عوام کو آپ سے راضی کر دیا۔ بلکہ سارے عرب کو مطیع و فرمانبردار بنا دیا۔

عربوں نے اپنے دورِ عروج میں نہ تاریخ لکھی نہ اپنے اکابر و عظماء کی سوانح عمریاں مرتب کیں۔ اُن کے پاس قرآن تھا۔ اس کی اشاعت اور تبلیغ ان کا مقصدِ حیات تھا۔ وہ ڈرتے تھے کہ امت کو تاریخ و ملفوظات کے چکر میں ڈالا تو شخصیت پرستی کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور توحید کی نشر و اشاعت کو دھچکا لگے گا۔

کسی نے ام المومنین سے پوچھا کہ رسول اللہؐ کے اسوہ حسنہ کے بارے میں کچھ بتلایئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے۔ عرض کیا روز پڑھتا ہوں۔ فرمایا اپنے رسولؐ کی سیرۃ قرآن میں تلاش کرو۔

عربوں کی حکومت ۱۳۲ھ میں ختم ہو گئی۔ عباسیوں نے ایران کی مدد سے حکومت حاصل کی تھی۔ اسلئے ایرانیوں کو چھوٹ دیدی کہ وہ اسلامی تاریخ، تفسیر، حدیث، سیرت اور مغازی کے نام سے جو چاہیں لکھیں اور خلیفہ کا انگوٹھا لگوالیں۔

اس طرح سیرت ابن ہشام خلیفہ ہارون الرشید کی پسندیدہ کتاب جو الف لیلیٰ کی طرح مستند بھی ہے وجود میں آئی۔ اس میں رسول اللہؐ کا شجرۂ نسب ابراہیم علیہ السلام سے بھی آگے نوح اور آدم تک پہنچایا گیا ہے ا۔ وہ بھی صرف پچاس ساٹھ پشتوں میں جبکہ ابراہیمؑ کو گذرے بھی تین ہزار برس گذر گئے تھے۔ اسی طرح رسول اللہؐ کے آزاد کردہ مولا سیدنا زید

بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا شجرہ پندرہ پشتوں تک لکھ کر انہیں خاندان بنو ہاشم کا فرد ظاہر کیا ہے۔ روایت اس طرح درج ہے:۔

ابن اسحاق کہتا ہے زید بن حارثہ بن شرجیل بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امرالقیس۔ ابن ہشام کہتا ہے (یعنی خود) کہ یہ نام اس طرح ہے۔ زید بن حارثہ بن شرجیل بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امرالقیس بن عامر بن نعمان بن عبدود بن عوف بن عذر بن زید اللہ بن ثور بن کعب بن وبرہ (سیرۃ ہشام جنگ بدر)

یعنی اگر محض نام لکھ دینے سے کسی کا نسب معلوم ہوتا ہے تو ہم زید بن حارثہ کی پندرہ پشتوں کے فرضی نام دے سکتے ہیں۔ لیکن اب مسلمانوں پہ جہالت، ذلت اور شکست مسلط ہو چکی تھی۔ [illegible] اتنا سمجھنے والا پیدا نہ ہوا۔ جو اس طنز و استہزا کو سمجھتا۔

ہشام نے صحابہ کرام کے ساتھ کافر مقتولین بدر کے نام بھی شجروں کے ساتھ لکھے ہیں۔ حالانکہ ایک ایسے زمانے میں جب نہ تاریخ لکھی جاتی تھی نہ اخبار نکلتے تھے۔ واقعہ کے سو دو سو سال بعد ہر شخص کا جو جنگ میں شامل ہوا یا مارا گیا نام بھی معلوم کرنا مشکل تھا۔ نہ کہ ان کے شجرے لکھنا....

پھر اس کتاب کے دوسرے مندرجات کے بارے میں خوش فہمی کا کیا جواز ہے۔ ایسی صورت میں ہم جو کچھ کر سکتے ہیں یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے جھوٹ کا پردہ چاک کر دیں۔ اور جہاں حملہ کیا گیا ہو وہاں دفاع پیش کریں۔

خیال تھا کہ "انمٹ باتیں" کے بعد مجھے مزید لکھنے کی ضرورت نہ ہوگی ساٹھ سال کے بعد انسان اپنی دینی دنیاوی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جاتا

ہے۔ لیکن مشیت کو شاید مجھ سے ابھی کام لینا ہے۔

مکروہ کتاب "خرافاتِ عائشہ" جو اکارڈوی و نورانی حضرات کے کسی دینی بھائی نے لکھی ہے[1]۔ میرے جواب کی منتظر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جسے عظمت دینا چاہتا ہے اس کے دشمن پیدا کر دیتا ہے۔ دشمن اس کا نام اچھالتے ہیں، اسے بدنام کرتے ہیں اور یہی چیز اس کی شہرت کا سبب بن جاتی ہے۔ باضمیر لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور مخالفت کا تجزیہ کر کے الزامات کو جھٹلا دیتے ہیں۔

چنانچہ مذکورہ کتاب نے اہلِ ایمان کو جھنجھوڑ ڈالا اور درجنوں کتابیں بازار میں سیدہ صدیقہ رضی کی مدافعت میں آگئیں۔ پھر بھی کہتے ہیں میری گردن پر وہ قرض باقی رہا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کیے۔ اور میرے رہوارِ فکر کو مہمیز لگائی۔ تو قلم چلنے لگا اور کتاب بن گئی۔

اللہ تعالیٰ کی شان نرالی ہے وہ جس سے چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ اور اپنے نیک بندوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وفورِ احسان سے سربسجود ہوں کہ قابلِ صد احترام ماں سیدہ صدیقہ کا قرض اتارنے کی مجھے بھی توفیق دی الحمد للہ رب العالمین۔ والسلام

عزیز احمد صدیقی

---

[1] نورانی میاں کہتے ہیں، ہندوستان میں دو فرقے تھے شیعانِ تفضیلہ اور شیعان تبرائی یعنی پنج تنی اور بارہ امامی۔ انگریزوں کے آنے سے علم پھیلا تو مسلمان توحید کی باتیں کرنے لگے۔ اور دیوبندی و غیر مقلد بن گئے۔ پنج تن اور بارہ امام کا تصور مسلمانوں میں کہاں سے آیا۔ ہماری کتاب رام راج میں دیکھئے۔

نقشہ جزیرہ نمائے عرب

دس سال کی مدت میں رسول کریم ؐ نے مدینہ کی حدیں ۹ لاکھ ستائیس ہزار مربع میل وسیع کر دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ

پیدائش :- آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ بعثت نبوی سے چند سال پہلے پیدا ہوئیں۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم کی ہم عمر تھیں۔ اور سیدہ فاطمہؓ سے چند سال چھوٹی تھیں۔ [1]

بلکہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ علی مرتضیٰؓ امیر معاویہؓ اور سیدہ زینب بنت جحش جو بعد کو ام المومنین بھی ہوئیں۔ آپ کے ہم سنوں میں تھے اور سب ساتھ کے کھیلے ہوئے تھے۔

پرورش :- سیّدہ صدیقہؓ نے جب ہوش سنبھالے اپنے گھر میں خالص اسلامی ماحول پایا۔ آپ کے والد ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بچپن کے دوست اور تجارتی سفروں کے اچھے ساتھی تھے۔ وحی الٰہی آنے کے بعد جب محمدؐ رسول اللہ نے اعلان نبوت فرمایا، اور

---

[1] دور جاہلیہ میں پیدائش و وفات کی تاریخیں لکھنے کا رواج نہ تھا، بلکہ وہاں سن وسال کا حساب ہی نہ تھا۔ بعثتِ نبوی یا ہجرت کے سال سے اندازہ لگا کر مورخین نے حالات لکھے ہیں۔ اور خاص مقاصد سے ان میں تضاد پیدا کیا ہے: جیسے کہ علی المرتضیٰ کی عمر بعثت کے وقت پانچ سال تھی یا سات سال یا دس سال، آج تک طے نہ ہو سکا۔

بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ساری دنیا کے لئے ہادی و رہنما مقرر کیا ہے۔ تو سب سے پہلے ابوبکر صدیقؓ نے آپؐ کی تصدیق کی۔

یہ دونوں دوست پہلے ہی سے اپنے معاشرے میں امین و صادق مشہور تھے۔ سچے آدمی کی بات کوئی سچا آدمی نہیں جھٹلا سکتا۔ شک و شبہ تو جھوٹوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح ابوبکرؓ اپنے ہادی برحق کے سب سے پہلے مہدی (مہتدی) قرار پائے اور صدیق اکبر کے خطاب سے نوازے گئے۔ اب دونوں مل کر اشاعت دین میں مصروف ہو گئے۔ اور دونوں کے گھروں کا ماحول اسلامی ہو گیا۔

ابوبکر صدیقؓ کے دو بیویوں سے چار بچے تھے۔ جو عہد جاہلیہ میں پیدا ہوئے۔ پہلی بیوی سے اسماء اور عبداللہ اور دوسری سے عبدالرحمٰنؓ اور عائشہؓ۔ اسماء عائشہ سے دس سال بڑی تھیں اور عائشہ سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے سب کی چہیتی تھیں (طبری)

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑا سا تعارف آپکے والد بزرگوار ابوبکرؓ صدیق کا بھی کر دیا جائے جن پر نہ صرف ان کے بچوں کو ناز کرنے کا حق تھا بلکہ امت محمدیؐ بھی ان پر ناز کرتی ہے۔ حال ہی میں ہمارے دوست محترم عزیز احمد ایڈوکیٹ کراچی نے اسلامی تاریخ میں پہلی بار ایک شاندار مستند اور مستقل کتاب انگریزی میں آپ کی سوانح پر قلم بند فرمائی ہے، جس کا نام ABU BAKR THE CALIPH ہے

مہدی اوّل:- ابوبکر صدیقؓ عہدِ جاہلیہ میں بھی اپنی قوم کے طاقتور مدافعین میں تھے۔ آپ بڑے سردار قبیلہ تھے اور معاشرے کے ذمہ دار افراد میں آپ کا شمار تھا۔ آپ دیت دخون بہا کے مقدمات فیصل فرمایا کرتے تھے۔ (ھشام)

آپ کا پیشہ تجارت تھا۔ آپ کی امانت دیانت اور معاملہ فہمی کا شہرہ تھا۔ آپ حساب کتاب نوشت وخواند سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور شعر بھی کہتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ قریش کے نسب ناموں کے ماہر تھے۔ ہر قبیلہ کا خاندانی شجرہ آپ کے پاس محفوظ تھا۔ دس دس پشتوں کے بزرگانِ قبیلہ کے کارنامے اور ان کے باہمی رشتے جانتے تھے۔ جس سے مورخوں نے موجودہ تاریخیں مرتب کی ہیں۔

شرفاءِ مکہ آپ کی صحبت میں بیٹھنا ایک اعزاز سمجھتے تھے۔ آپ کا مکان مرجع خلائق تھا، ہر وقت اہلِ معاملہ اور اہلِ غرض کا آنا جانا لگا رہتا شعر وشاعری کی مجلسیں جمتیں جن میں بڑے بڑے شعراء کا کلام پڑھا جاتا۔ اور ان پر تبصرہ ہوتا۔

تربیت :- ایسے ماحول میں پل کر جوان ہونے والے بچوں کا مہذب شائستہ خصال اور ذہین وسخن فہم ہونا ایک بدیہی امر تھا۔ چنانچہ سیدہ صدیقہ کو بچپن سے شعر فہمی اور نکتہ رسی میں ملکہ حاصل ہو گیا۔ آپ کو عہدِ جاہلیہ کے سینکڑوں اشعار یاد تھے۔ اور ان کو برمحل استعمال کرنے پر قدرت رکھتی تھیں۔ جب نزول قرآن شروع ہوا، اور گھر میں قرآن کی باتیں ہونے لگیں۔ تو آپ آیات قرآنی یاد کر لیتیں اور ان کو اپنی ہمجولیوں میں پڑھتی پھرتیں خود فرماتی ہیں بقول بخاری۔

جب میں کمسن بچی تھی اور کھیلتی پھرتی تھی اسی زمانے میں رسول اللہ پر آیت نازل ہوئی۔ بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامر۔ ط ۵۴/۴۶ تو مجھے یاد ہو گئی۔ میں اسے پڑھتی رہتی تھی۔

یہ آیت سورہ قمر کی ہے جو ۴ نبوی میں نازل ہوئی۔ اس وقت آپ اس قدر صاحب ہوش تھیں کہ ایسی بلیغ باتیں یاد کر لیتی تھیں۔ آیت کا مفہوم ہے۔ ان کے وعدے کا وقت قیامت ہے اور وہ بڑی سخت اور تلخ گھڑی ہوگی۔ اس سے آپ کی پیدائش قبل نبوت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ یعنی ۴ نبوی میں آپ سمجھ دار ہو چکی تھیں۔

منگنی :۔ آپ سنِ بلوغ کو پہنچیں تو مطعم بن عدی کی بیوی نے اپنے بیٹے جبیر بن مطعم کا پیغام دیا۔ والدین نے پیام قبول کر لیا۔ اور آپ جبیر بن مطعم کی منسوبہ مشہور ہو گئیں۔

مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ابوبکر صدیقؓ کے شامل اسلام ہونے سے اشاعتِ دین کا کام اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ یہ بات مشرکین کیلئے پریشانی کا سبب ہو گئی۔ کہ جہاں تک ہادی اسلام کی آواز نہ جاتی وہاں ابوبکر صدیقؓ پیغام حق پہنچا رہے ہیں۔ وہ اکابرین مکہ کو جمع کر کے اسلام کی خوبیاں اور دینِ توحید کی عظمت سمجھاتے اور حلقہ بگوش اسلام بناتے جا رہے ہیں

ھشام لکھتا ہے :۔

جن لوگوں نے ابوبکر کی تبلیغ سے اسلام اختیار کیا۔ ان میں عثمان بن عفان زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن وقاص طلحہ بن عبداللہ جیسے شرفاء صاحبِ حیثیت سرِ فہرست تھے۔ جب ان لوگوں نے دعوتِ اسلام قبول کر لی تو ابوبکر ان کو ساتھ لیکر رسول اللہ صلعم کے پاس آئے۔ انہوں نے اسلام اختیار کیا اور آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔

پھر عمر بن خطابؓ، حمزہ بن عبدالمطلبؓ، عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے بھائی عبیداللہ بن جحشؓ (داماد ابو سفیان)، حاطب بن عمروؓ اور ابو حذیفہ

بن ربیعہؓ جیسے جلیل القدر اشرافِ قریش مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تو اسلام کو وہ تقویت حاصل ہوئی کہ اب مسلمان علی الاعلان صحنِ کعبہ میں نمازیں پڑھنے لگے۔ اور کھلے عام تبلیغ دین کرنے لگے۔ خانہ کعبہ میں قرآن پڑھا جانے لگا اس سے قریش چراغ پا ہو گئے۔ قرآن میں ان کے خداؤں کا مذاق اڑایا جاتا۔ اور کافروں کو جہنم کا خوف دلایا جاتا جس سے ان کی سخت دل آزاری ہوتی۔ انہیں ڈر تھا کہ یہ باتیں مکہ میں عام ہونے لگیں تو خانہ کعبہ کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔ بتوں کی پرستش بند ہوئی تو ان کی وہ آمدنی بھی ختم ہو جائے گی جو زائرین سے وصول ہوتی ہے۔ بالآخر اس مخالفت نے دشمنی کی شکل اختیار کر لی، مشرکین نے مسلمانوں پر سختیاں شروع کر دیں۔

مقاطعہ: کہتے ہیں صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے قریش نے ایک پنچایت طلب کی۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ اسلام کو مزید پھیلنے سے کیسے روکا جائے۔ بحث و تکرار کے بعد پنچ نے فیصلہ کیا کہ محمدؐ کا مقاطعہ کیا جائے یعنی سوشل بائیکاٹ جیسے ہندوستان میں حقہ پانی بند کرنا یا ذات برادری سے نکالنا کہا جاتا ہے۔

پنچ نے حکم دیا کہ رسول اللہ مع اپنے لواحقین کے شعب بنو ہاشم میں رہیں۔ اور اپنے محلے سے باہر نہ نکلیں۔ شہر کے دوکانداروں اور پھیری والوں کو حکم تھا کہ ان سے لین دین نہ کریں۔ نائی دھوبی، مہتر اپنی خدمات روک دیں وغیرہ۔ اس مقاطعے کا اثر دوسرے مسلمانوں پر بھی پڑا۔ وہ بھی اچھوتوں کی طرح دُور دُور رکھے جانے لگے۔ ان سے بھی کاروبار کرنے والے سیدھے منہ بات نہ کرتے۔ وہ خود کو اپنے وطن میں اجنبی محسوس کرنے لگے۔ دریں اثنا خبر ملی کہ مدینہ میں اسلام نے جڑیں پکڑ لی ہیں اور مسلمانوں کے لئے اپنے دروازے کھول دیئے ہیں۔

مجبوراً مسلمانوں نے مدینہ کی جانب ہجرت شروع کردی۔ یہ دوسرا موقعہ تھا۔ پانچ چھ سال پہلے عثمان غنیؓ کے ساتھ اسی پچاسی مسلمان خاندان حبشہ چلے گئے تھے۔ اب فاروق اعظمؓ اور عم رسولؐ حمزہؓ بن عبدالمطلب اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ نکل گئے۔ یہ ایک انقلاب تھا جو مکہ نے دیکھا۔ بیٹے والدین کو، شادی شدہ اور معتبر لوگ اپنے گھر بار، بیوی بچوں کو چھوڑ کر چلے گئے۔ محلے ویران ہوگئے، گھر اجڑ گئے۔ تو مقاطعہ کا فیصلہ واپس لے لیا گیا۔ کیونکہ اب خود دوکانداروں کا نقصان ہو رہا تھا۔ ان کا کاروبار ٹھپ تھا۔

مگر محصورینِ شعب بنوہاشم کا کام کسی نہ کسی طرح چلتا رہتا۔ کہتے ہیں رسول اللہ کے داماد ابوالعاص اور سیدہ خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام راتوں کو غلہ اور کھجوروں سے لدے ہوئے اونٹ آپ کی گلی میں ہنکا دیتے رسول اللہؐ اپنے ان داماد کی عمر بھر تعریف کرتے رہے۔

رسول اللہؐ کا کاروبار تجارت ان کے متبنّیٰ زید بن حارثہؓ اور مولا ابورافع سنبھالے ہوئے تھے۔ وہ سعادتمند بیٹوں کی طرح جو کما کر لاتے گھر میں دیدیتے۔ البتہ علی مرتضیٰؓ اپنی جسمانی معذوری کی وجہ سے کسب معاش سے عاری تھے۔

اسی عرصے میں ابوبکر صدیق ایک بار مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ کہ ہو سکے تو عائشہ کو ان کے سپرد کرکے اپنا بار ہلکا کرلیں۔ اور خود بھی ہجرت کر جائیں۔ طبری کا بیان ہے:۔

ابوبکر مطعم کے پاس گئے ان کی بیوی بھی وہاں موجود تھی جس کے بیٹے (جبیر بن مطعم) کیلئے عائشہؓ کو مانگا گیا تھا۔

اس بڑھیا نے ابوبکرؓ سے کہا کہ اگر ہم اپنے بیٹے کی شادی تمہاری لڑکی سے کریں تو غالباً اسے صابی (مسلمان) بنالوگے اور جس مذہب کو

تم نے اختیار کیا ہے اس میں اسے شامل کر لوگے۔

ابوبکرؓ نے مطعم سے پوچھا۔ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ مطعم نے کہا وہ ٹھیک کہہ رہی ہیں بیشک ہمیں بھی یہی اندیشہ ہے۔

یہ سنکر ابوبکر ان کے یہاں سے نکل آئے۔ (سیرۃ النبی طبری جلد ا ص ۴۹۳)

اس طرح برسوں پرانی منگنی ٹوٹ گئی۔ اور یہ نابالغ بچی کی منگنی نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ سیدہ صدیقہؓ کی پرورش اسلامی ماحول میں ہوئی ہے۔ لڑکی جوش ایمان سے سرشار ہے۔ وہ ہمارے گھر میں آئی تو یہاں بھی کفر وایمان کی جنگ شروع ہو جائے گی۔ اور خاندان بکھر جائے گا۔ یا ممکن ہے لڑکی اپنے شوہر کو مسلمان نہ بنا سکے اور بعد میں تعلقات خراب ہو جائیں۔[1]

حق دوستی:۔ جب حالات زیادہ خراب ہوئے تو ابوبکر صدیقؓ نے بھی ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ مگر ان کو خود سے زیادہ اپنے ہادی کی فکر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بے ماں باپ کے پالا تھا۔ نہ بہن بھائی دیئے نہ بیٹوں سے تقویت دی۔ کہ مبادا ہادیؐ برحق کسی غیر اللہ سے توقعات باندھ لے۔ اسے اللہ پر بھروسہ کرنا تھا۔ اور اس کے احکام بجالانے تھے نعم المولیٰ نعم النصیر۔ رسولؐ کا کفیل اللہ تعالیٰ ان کی ہر ضرورت جانتا تھا اس نے بیٹوں کی جگہ دو مولا دیدیئے۔ زید بن حارثہ۔ اور ابو رافع۔ پھر صدیق اکبر جیسا دوست دیا۔ جس نے سارے دکھ بانٹ لیئے۔

دریں اثنا آپ کی شریک حیات سیدہ خدیجہؓ اور چچا ابو طالب بھی رخصت ہوئے۔ جس سے زندگی میں پہلی بار گھریلو فکروں سے دوچار

---

[1] ۔ اس سے ۶ برس کی عمر میں نکاح کی روایتوں کی تکذیب ہو جاتی ہے۔

ہونا پڑا۔ آپؐ کی دو جوان بیٹیاں بیٹھی تھیں۔ گھر میں کوئی بڑا بوڑھا نہ رہا تو آپؐ کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ یعنی ماں کی توجہ بھی آپؐ کو فراہم کرنے کی ضرورت ہو گئی۔

اتفاق سے اسی زمانے میں ایک معمر خاتون سیدہ سوداؓ بنت زمعہ جو مسلمان ہو کر اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ چلی گئی تھیں بیوہ ہو کر واپس آگئیں آپؐ نے ان سے نکاح کر کے اپنی بیٹیاں ان کے حوالے کر دیں۔ اس طرح آپ پھر گھر کی فکروں سے آزاد ہو گئے۔ اب آپ ہجرت کے بارے میں سوچ سکتے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے دو تیز رفتار اونٹنیاں خرید لیں۔ اور دونوں دوست اللہ کے احکام کا انتظار کرنے لگے۔

ہجرت :- مسلمانوں کے مکہ سے نکل کر مختلف مقامات میں پناہ لینے سے باہر کی دنیا کو اللہ کے رسول اور ان کی تعلیمات سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور بہت سے ہمدرد پیدا ہو گئے۔ اس سے قریش کی پریشانیاں بڑھ گئیں۔ وہ ڈرے کہ اگر رسول اللہ بھی مدینہ پہنچ گئے اور اسے اپنا مرکز بنا لیا تو یہ نیا دین مکہ کی اہمیت کو ختم کر دے گا۔

انہوں نے دار الندوہ میں جمع ہو کر اس مسئلہ کا جائزہ لیا اور بالآخر طے کیا کہ رسول اللہ کو مدینہ نہ جانے دیا جائے۔ اور اسکی ایک ہی صورت ہے کہ۔ ہر قبیلہ کا ایک نمائندہ لیکر لوگ ان کے گھر کا محاصرہ کریں اور جب وہ گھر سے نکلیں تو ان پر حملہ کیا جائے اور قتل کر دیا جائے۔ ہر شخص ضرب لگائے۔

یہ احتیاط اسلئے ضروری تھی کہ قبائلی نظام میں مقتول کا خونبہا طلب کیا جاتا تھا۔ اور پھر جنگ ہوتی تھی۔ لیکن جب سب شریک ہونگے اور بنو ہاشم کا بھی نمائندہ موجود ہوگا۔ خون بہا دینا لازم نہ رہے گا۔ نیز عرب کبھی کسی کے گھر میں گھس کر سوتے ہوئے یا غافل دشمن پر حملہ نہ کرتے تھے...

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اس سازش سے آگاہ کر دیا۔ آپؐ صحرا کی چلچلاتی دھوپ میں جب عرب اپنے گھروں میں بیٹھے یا سوتے رہتے ہیں۔ منہ پر کپڑا ڈال کر نکلے اور ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچ گئے۔ صدیق اکبرؓ نے دیکھا تو کہا کہ ضرور کوئی خاص بات پیدا ہو گئی ہے۔ جو آپؐ کو اس وقت لائی ہے۔

آپؐ نے فرمایا۔ غیر متعلق لوگوں کو ہٹا دو مجھے ایک اہم مشورہ کرنا ہے صدیق اکبرؓ نے کہا یہاں کوئی غیر نہیں صرف میرے بچے ہیں۔ آپ بے جھجک سنائیے رسول اللہؐ نے نئی سازش کا حال سنایا۔

صدیق اکبرؓ نے پوری روداد سنی مگر نہ پریشان ہوئے نہ گھبرائے۔ اللہ نے رسول کے مہدی کو شیر کا دل اور پہاڑ کا عزم دیا تھا۔ اس نے حوادث سے گھبرانا سیکھا ہی نہ تھا۔ فوراً کپڑے پہنے اور چلنے کو تیار ہو گیا۔

اپنے بچوں سے کہا۔ ہمارے لیے ایک رہبر تلاش کرو جو مدینہ کا راستہ جانتا ہو۔ ہمارے اونٹ اور کچھ زادِ راہ لیکر کوہ ثور کے دامن میں جتنی جلد ہو سکے بھیج دو۔ ہم وہاں انتظار کریں گے۔ اور ہاں اسکی خبر کسی کو نہ ہو ہمارا تعاقب ہو گا۔

یہ مختصر ہدایات دیکر صدیق اکبر رسول اللہ کو لیکر اپنے عقبی دروازے سے نکلے اور غار ثور کی طرف چل دیئے۔

کہتے ہیں صدیق اکبر کے بیٹے عبداللہ اور غلام فہیرہ کو انتظامات میں تین دن لگ گئے۔ اس عرصے میں ہادی و مہدی غار ثور میں چھپے رہے۔ ایک سچے ہادیؐ کا سچا مہدیؓ اور اس کے اہل بیت کتنے قابل اعتماد تھے۔ جو بات رسول اللہؐ اپنے گھر والوں کو نہ بتا سکتے تھے اس میں پورا خاندان سرگرم عمل ہو گیا اور افشائے راز کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ حتیٰ کہ غلام فہیرہ اور کوئی مشرک رہبر

بھی ان کی مدد کے لیے آگئے۔ اور سو اونٹوں کے انعام نے ان کو متنزلزل نہ کیا۔ کہتے ہیں قریش نے ان دونوں کو پکڑ کر لانے والے کو سو اونٹ دینے کا اعلان کیا تھا۔

یہ ابن اسحاق کی روایت کی تلخیص ہے۔ جو ابن ہشام نے نقل کی ہے اور سیدہ صدیقہؓ اسکی راوی ہیں۔

فلسفہ آل محمد :۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہشام جو یہودی نسل کا شیعہ تھا۔ اور علی مرتضےٰ کی فضیلت بڑھانے کے لئے کام کر رہا تھا۔ ایک روایت بلا حوالے کے ٹانکتا ہے۔ اس کے چند جملے دلچسپی سے خالی نہیں۔ نمونہ دیکھئے۔

قریش نے طے کیا کہ ہر قبیلے کا ایک نمائندہ تلوار لیکر آئے۔ اور رسولؐ کے گھر کا محاصرہ کرے۔ جب صبح کو وہ نکلیں سب ملکر حملہ کریں اور اسی جگہ ضرب لگائیں جہاں پہلے نے لگائی تھی۔ تاکہ ایک زخم ہو اور وہ سب اکے نام کا ہو (یہاں سوتے میں حملہ کرنے کا ذکر نہیں۔)

خدا کو اس تجویز کا علم ہوا تو اس نے فوراً جبرئیل کو بھیجا اور کہلایا کہ آج رات آپ اس بستر پہ آرام نہ فرمائیں جس پہ روز سوتے ہیں (ہجرت کا حکم نہیں دیا)

رات کے اندھیرے میں قریش کے نمائندے جمع ہوئے اور انتظار کرنے لگے کہ آپؐ سو جائیں تو حملہ کریں۔ (پہلے طے ہوا تھا کہ گھر سے نکلیں تو حملہ کیا جائے)

آپ نے ان کو دیکھا تو علی سے کہا تم میرے بستر پہ لیٹ جاؤ اور میری سبز چادر اوڑھ لو تم کو کوئی گزند نہ آئے گا۔ (گویا علی کو مروانا چاہتے تھے)

پھر رسول اللہ ان کے سامنے باہر نکلے اور مٹھی بھر خاک ان پہ اچھال دی۔ جس سے ان کی بینائیاں زائل ہو گئیں۔ وہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ (جادو بھی جانتے تھے)

تھوڑی دیر بعد شیطان نے اطلاع دی کہ محمد نکل گئے انہوں نے کھڑکی سے جھانکا اور بستر پر کسی کو سوتے دیکھا۔ تو کہا واللہ محمد کہیں نہیں گیا۔ اور صبح تک انتظار کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو بستر سے علی اٹھے۔ تب انہوں نے کہا واللہ کہنے والے نے سچ کہا تھا۔ (یہ عربوں کی حماقت پر طنز ہے)

جب تین دن گذر گئے۔ اور علی ابن ابی طالب نے سب امانتیں واپس کر دیں تو وہ پیدل روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ کی ہجرت کی خبر علیؓ بن ابی طالب ابوبکرؓ اور آلِ ابوبکرؓ کے سوا کسی کو نہ تھی۔ (سیرۃ ہشام)

یعنی گویا اپنے اہل بیت کو تو نہ بتایا مگر علیؓ کو بتا دیا۔ حالانکہ گھر کی نگرانی زید بن حارثہ رسول اللہ کے متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) کے سپرد تھی انہی کے ساتھ علی بھی آئے۔ اسی وجہ سے طبری نے علی مرتضیٰ کی واپسی کا ذکر نہیں کیا۔ اس پر سو ڈیڑھ سو سال بعد ابن کثیر نے تھوڑی سی حاشیہ آرائی کی ہے۔ وہ بھی سنیئے۔

حضرت علیؓ جب ان احکام کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو انہوں نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی رات کو چلتے دن میں چھپ جاتے (نہ جانے ان کو کیا خوف لاحق تھا۔ ریگستان عرب میں سبھی رات کو چلتے اور دن کو آرام کرتے ہیں) جب مدینہ پہنچے تو پیروں میں زخم پڑ گئے تھے۔ رسول اللہ نے سنا تو خود دیکھنے آئے۔ اور گلے سے لگا لیا۔ آپ کے پیروں کا ورم دیکھ کر رو دیئے۔ پھر اپنے ہاتھوں پر تھوک رکھ کر ان کے قدموں پر مل دیا۔ اس کے بعد علی کو پیروں کی شکایت نہ ہوئی۔ (کامل جلد ۲)

ان روایتوں سے آپ کو حسب ذیل نکات علوم آل محمدؐ کے معلوم ہوتے ہیں:-

۱ - رسولؐ کو سواری کی ضرورت پڑی۔

۲ - رہبر بھی ملا تو کافر مگر امام بلا سواری کے چل سکتا ہے۔ اور کافر رہبر کی رہبری قبول نہیں کرتا

۳ - رسول اللہ نے علی کے قدم چھوئے۔ جس کا مطلب ہے کہ نبوت امامت کے قدم چھوتی ہے۔ اب شاید آپ جاننا چاہیں کہ علی کو مدینہ جانے کی عجلت کیوں تھی۔ اس کا راز یہ ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ میں مواخات شروع کر دی تھی۔ یعنی مہاجرین و انصار کو بھائی بھائی بنا رہے تھے۔ علی کو خوف ہوا کہ خود رسول اللہ کسی اور کو بھائی نہ بنالیں۔ (گویا خود بھائی نہیں تھے)

اسلئے اہل بیت رسولؐ کو اللہ کے حوالے کر کے مدینہ چلے آئے اور ویسے ہی بھائی بن گئے جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ہارون موسیٰ کے داماد نہیں بن سکتے تھے۔ مگر یہ بھائی چند دنوں بعد داماد بھی بن گئے۔ یہ فلسفہ اہل بیت کے اسرار ہیں۔ آپ کسی سے کہئے گا نہیں۔ (فلسفہ اہل بیت کے معنی ہیں علی اور آلِ علی کو آلِ محمد بنانے کا نسخہ) اور یہ کام ابن اسحاق نے شروع کر دیا تھا۔ اس نے کتاب لکھی ہی اس مقصد سے تھی کہ بنو امیہ کو گرایا اور بنی ہاشم کو ابھارا جائے۔ یعنی عثمان غنی کے مقابلے میں جو دوسرے داماد تھے، علی کو سب کچھ بنایا جائے۔ اس نے علی مرتضیٰ کی بہادری کے بہت سے واقعات لکھے ہیں۔ اور جہاں نہیں لکھے تھے۔ وہاں ہشام نے اضافہ کر دیا ہے۔ چنانچہ جنگ بدر میں ۳۱۳ صحابہ کے کارنامے کہ کس نے کس کو مارا کچھ اس طرح درج کئے گئے ہیں۔

۱ - ابن اسحاق کہتا ہے۔ حنظلہ بن ابو سفیان کو زید بن حارثہ نے قتل کیا۔

ابن ہشام کہتا ہے اسے حمزہ و علی بن ابی طالب نے قتل کیا۔

۲ - ابن اسحاق نے کہا۔ عتبہ بن ربیعہ کو عبید اللہ بن الحارث نے قتل کیا۔

ابن ہشام نے کہا۔ اسے حمزہ و علی نے قتل کیا۔

۳ - ابن اسحاق نے کہا۔ عامر بن عبداللہ کو علی بن ابی طالب نے قتل کیا۔

ھشام نے کہا۔ اسے حمزہ و علی نے قتل کیا۔

۴ - ابن اسحاق نے کہا۔ ابو قیس بن ولید بن مغیرہ کو حمزہ بن ابی طالب نے قتل کیا

۵ - ہشام نے کہا۔ اسے حمزہ و علی نے قتل کیا۔ (سیرۃ ہشام جلد ا)

آپ حیران ہوں گے کہ تیسری صدی میں ہشام کو صحیح حالات کیسے معلوم ہوئے۔ جو ہر جگہ ابن اسحاق کی روایت کی اصلاح کر دی۔ جی نہیں یہ ایک فن ہے۔ اس نے علی مرتضیٰ کو سید الشہدا کا بیج بنا کر پیش کیا۔ تاکہ ہارون رشید پوچھ بیٹھے کہ یہ کیسے ممکن ہوا۔ تو کہدے کہ صرف ساتھ رہے۔ مگر بعد کو آنے والوں کے لئے راستہ کھول دیا۔ کہ وہ سب کے نام اڑا کر سارے کارنامے علی مرتضیٰ کی جھولی میں ڈال دیں، چنانچہ یہی ہوا۔

تاہم ہم ان مجوسوں اور یہودیوں کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے جھوٹ یا سچ ہم تک لکھا ہوا پہنچا دیا۔ جو عرب نہ کر سکے۔ چنانچہ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی یہ روایت بھی پہنچائی ہے جو یقیناً ہارون رشید کو بھی بہت پسند آئی ہوگی۔

تلواریں دھوئی گئیں :- (جنگ احد میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی مگر باعزت واپس آگئے) تو حضرت علی نے اپنی تلوار فاطمہ کو دی اور کہا۔ اس تلوار کو لو۔ اس کا خون دھو ڈالو۔ خدا کی قسم جنگ میں یہ تلوار بڑی سچی نکلی

اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اگر تم جنگ میں ثابت قدم رہے تو تمہارے ساتھ سہل بن حنیف اور ابو دوجانہ بھی ثابت قدم رہے (یہ دونوں بزرگ بھی معذور تھے۔ ابو دوجانہ کے صرف ایک ٹانگ تھی) اس پر ہشام صاحب نے حاشیہ آرائی فرمائی۔

ابن ہشام نے کہا۔ رسول اللہؐ کی تلوار کو ذوالفقار کہا جاتا تھا۔ جنگ احد کے موقعہ پر یہ ندا سنی گئی۔ لاسیف الاّ ذوالفقار و لافتیٰ الاّ علی۔ (سیرت ہشام ج ۲ ص ۸۴)

ملاحظہ ہو ہارون رشید کے زمانے تک ذوالفقار رسول اللہؐ کی تلوار تھی۔ علی مرتضیٰ کو نہ ملی تھی۔ مگر اس ندائے غیبی نے فیصلہ کر دیا کہ بعد کو اسے علی کو دیدیا جائے۔ ابن اسحاق لکھتا ہے۔ یہ ایک ٹوٹی ہوئی مسقف تلوار تھی جو قصائی کے بُغدے کے طور پر کام آتی تھی۔

اہل بیت کی مراجعت :- ہشام نے رسول اللہؐ اور صدیق اکبرؓ کے مدینہ آنے کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ طبری نے حسب ذیل روایتیں فراہم کی ہیں۔

عبداللہ بن ارلیقط (کافر رہبر) نے مکہ جاکر عبداللہ بن ابوبکر کو ان کے باپ کا پتہ اور مقام بتایا۔ تو وہ اپنے باپ کے اہل بیت کو لیکر مکہ سے چلے۔ طلحہ بن عبیداللہ (اسماء کے شوہر) بھی ساتھ ہو گئے۔ اس قافلہ میں اُمّ رومانؓ عائشہؓ کی ماں اور عبداللہؓ بن ابوبکر کی ماں (قتیلہؓ) بھی ساتھ تھیں۔ آگے لکھتا ہے۔

اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں۔ اور بیوی سودہؓ بنت زمعہ، زید بن حارثہؓ اور ابو رافع کو مکہ سے بُلا لیا۔ ابو رافع ان کو مکہ سے سواریوں پر مدینہ لائے۔ (سیرۃ النبی طبری)

یہاں چند شرارتیں ہیں۔ لکھا ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے گھر والوں کو مدینہ جانے کی خبر نہ دی تھی۔ وہ رہبر نے بتلائی۔ ۲ - زید بن حارثہ کی اہمیت ختم

کرنے کے لئے ابو رافع کو سامنے لایا گیا ہے۔ طبری نے علی مرتضیٰ کے تنہا نکل جانے کا ذکر نہیں کیا۔

یہ روایتیں یہ بتلانے کے لئے نقل کی گئی ہیں کہ علی مرتضیٰ کے بارے میں جب ایسے جھوٹ سچ لکھے گئے تو سیدہ صدیقہ کے بارے میں کیا کچھ نہ لکھا گیا ہوگا۔

آپ کی شادی:۔ جنگ بدر کے بعد مسلمانوں کو قدرے اطمینان نصیب ہوا۔ ان کی فتح کی خبریں قبائل عرب میں پھیل گئیں۔ جو سنتا کہ محمد کے ۳۱۳ ساتھیوں نے مکہ کے ۱۰۰۰ شہسواروں کو مار بھگایا۔ اور بت پرستوں کو ایسی شرمناک شکست دی کہ ان کو رونے بھی نہیں بنتی ہے۔ اور یہ سے ستر اسی افراد کو زندہ گرفتار کر لیا۔ جس سے اس قدر تاوانِ جنگ وصول ہوا کہ نئی ریاست کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔ اسلحہ اور مقتولین کا ذاتی اثاثہ اس کے علاوہ ملا۔ جس سے ایک بڑی فوج مسلح ہو سکتی ہے۔

اب لوگ عرب کے نئے دینی بادشاہ کو دیکھنے اور اس کے مشن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے جوق در جوق مدینہ آنے لگے۔ اس سے اشاعتِ دین اور تبلیغ کا کام بڑھ گیا۔ رسول اللہ دن بھر مسجد میں بیٹھے درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ نمازیں پڑھاتے، قرآن سناتے اور یاد کرواتے۔ اور صحابہ جنگی مشقیں کرتے رہتے۔

جیسے جیسے طالبانِ حق کی تعداد بڑھتی جاتی آپ کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا جاتا۔ آنے والوں میں خاصی تعداد عورتوں کی ہوتی بعض اپنے مسائل پوچھنا چاہتیں۔ مگر مردوں کے سامنے نہ پوچھ سکتی تھیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہماری تربیت کے لئے علیحدہ مجلس قائم کی جائے۔ چنانچہ ضرورت محسوس ہوئی کہ عورتوں کے درس کیلئے علیحدہ شعبہ قائم ہو۔ وہاں کوئی خاتون معلمہ ہو جو عورتوں کو پڑھائے۔ ان کے شکوک و شبہات دور کرے۔ ان کے

سوالوں کے جوابات دے۔ کیونکہ عورتوں کا توہم دُشمن کرنا آسان کام نہیں وہ اپنے پیروں بزرگوں اور دیوتاؤں کو آسانی سے ترک کرنے والی نہیں ہوتیں۔

صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ کی اس ضرورت کا ذکر اپنے گھر میں کیا۔ سیدہ صدیقہؓ نے اسے غور سے سنا۔ آپ کی منگنی جبیر ابن مطعم سے ٹوٹ چکی تھی۔ پھر کوئی دوسرا پیغام نہ آیا، اور نہ اب کوئی امید تھی۔ کیونکہ مدینہ میں مہاجرین کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ ان کے ساتھ بیشمار عورتیں بچے ان بیاہی لڑکیاں اور بیوائیں چلی آرہی تھیں۔ خود رسول اللہؐ کی بیٹیاں۔ پھوپھی زاد، چچازاد بہنیں بیٹھی تھیں۔ اور لڑکیاں تھیں جو غربت و مسافری اور غیر یقینی صورتِ حالات میں شادی بیاہ سے مایوس ہورہی تھیں۔

پُرانا معاشرہ درہم برہم ہوچکا تھا۔ نیا نظام جنم لے رہا تھا اور وہ قربانیاں مانگتا تھا۔ مرد اپنی جانیں پیش کر رہے تھے۔ عورتیں اپنی جوانیوں اور سہاگ کی قربانیاں دے رہی تھیں۔

سیدہ صدیقہؓ نے حالات کا جائزہ لیکر فیصلہ کر لیا کہ آپ رسول اللہؐ کے کام میں ہاتھ بٹائیں گی۔ اور اپنی زندگی اشاعتِ دین کے لئے وقف کردیں گی۔ یہ ایک بڑا فیصلہ تھا۔ اور ایک نوجوان لڑکی کے لئے بڑے عزم کا متقاضی تھا اور یہ عزم قدرت نے سیدہ کو دیا تھا۔

اس طرح آپ کا نکاح ہوگیا۔ آپ کاشانۂ نبوی میں پہنچ کر شعبۂ نسواں کی سربراہ مقرر ہوئیں۔ آپ کو مسجد سے متصل ایک حجرہ دیا گیا۔ جہاں مسلمان عورتیں اور بچیاں جمع ہوکر اپنے ہادئ برحق اور امت کے باپ سے پند و نصائح سنتیں۔ اور ان کی وضاحت و شرح اُمت کی ماں سے پوچھ لیتیں۔

یہ نکاح بقول طبری کا مدینہ آنے کے اٹھارہ ماہ بعد ذی قعدیا شوال میں ہوا۔ لیکن ہمارے مورخین و محدثین نے یکزبان ہوکر شادی کے وقت آپ کی

عمر ۹ یا ۱۰ سال بتائی ہے۔ جس سے ہمارے ان دعووں کی نفی ہوتی ہے۔
اسلئے ضروری ہے کہ ہم خود اُن کے افترا کا پردہ چاک کر دیں۔

عمر کا تعین :- امام بخاری ام المومنین سے زیادہ ناراض تھے۔ یا اسلام سے۔ یہ فیصلہ ابھی باقی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تاریخ کے مقابلے میں احادیث زیادہ صحیح حالات فراہم کرتی ہیں۔ تو چلئے امام بخاری کی صحیح احادیث سے سیدہ صدیقہ کی عمر معلوم کریں۔

(۱) حدیث۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں مجھ سے نبی صلعم نے جب نکاح کیا۔ اس وقت میری عمر ۶ سال تھی اور ۹ سال کی عمر میں مجھ سے خلوت کی گئی۔ اور ۹ برس تک میں آپ کے نکاح میں رہی۔ (کتاب النکاح، پارہ ۲۱ ج ۳ ص ۴۵)

یہ بازاری زبان ام المومنین کی ہوسکتی ہے یا نہیں یہاں معرض بحث نہیں۔ نہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ سیدہ صدیقہ کے انتقال کے ۲۰۰ دو سو سال بعد یہ الفاظ ہو بہو بخاری تک کیسے پہنچے۔ صرف زبانی یا کوئی تحریری ثبوت موجود تھا۔

۹۳۸ - حضرت عائشہؓ نے کہا۔ میں نے کبھی کسی عورت سے ایسی غیرت (رشک جلاپا) نہیں کی جیسی خدیجہؓ سے حالانکہ وہ میرے نکاح سے تین سال پہلے فوت ہو چکی تھیں۔ (کتاب الادب ج ۳)

یہاں معلوم ہوا کہ سیدہ خدیجہؓ کا انتقال ۱۰ نبوی میں ہوا۔ اور نکاح اس کے تین سال بعد یعنی ۱۳ نبوی میں عین ہجرت کے سال کچھ دن پہلے ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۶ سال تھی۔

۱۰۷۸ - عبداللہ نے کہا۔ ہجرت سے تین سال پہلے خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ نے کم و بیش دو سال توقف کیا۔ پھر حضرت عائشہؓ سے جب ان کی عمر چھ سال تھی نکاح کر لیا۔ پھر نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی۔ (کتاب الانبیاء ج ۲)

یعنی ۲ سال بعد بھی عمر ۲ سال تھی اور تین سال بعد بھی عمر ۶ سال رہی۔

۲۱۰۱۔ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ جب میں چھوٹی تھی اور کھیلتی تھی اس زمانے میں رسول اللہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بل الساعة موعدهم ۔ اور وہ مجھے یاد ہوگئی۔ (فضائل قرآن ج ۲)

یہ آیت سورہ قمر کی ہے۔ اور سورہ قمر کا نزول ۴ نبوی کا ہے۔ یہ شق القمر والی سورۃ ہے جس کے بڑے چرچے رہے ہوں گے کہ چاند پھٹا یا نہیں۔ اس وقت سیدہ صدیقہ کو اتنی سمجھ تھی کہ وہ آیت یاد کر کے پڑھتی پھرتی تھیں۔ اب اگر آپ نکاح کے وقت بونا یا ۱۲ یا ۱۳ میں ہوا چھ سال کی تھیں تو ۴ میں تو آپ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔ پھر کونسی حدیث صحیح مانی جائے۔ آگے سنئے:۔

۱۰۸۷۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالے اپنے والدین کو اسلام کا پابند پایا۔ کوئی دن ایسا نہ گذرتا جس میں رسول اللہ صبح وشام دونوں وقت ہمارے یہاں نہ آتے (کتاب الانبیاء ج ۲)

اب ہم کو معلوم کرنا ہوگا کہ بچی ہوش کس عمر میں سنبھالتی ہے۔ اتفاق سے ہمیں خود بخاری صاحب کے ہوش سنبھالنے کی عمر معلوم ہوگئی ہے۔ مقدمہ فتح الباری شرح بخاری میں مرقوم ہے۔

محمد بن وراق لکھتے ہیں۔ میں نے خود امام بخاری سے سنا۔ فرماتے تھے خدا نے مجھے اس وقت حفظِ حدیث کا شوق دیا جب میں مکتب میں تھا۔ میں نے پوچھا۔ جب یہ شوق پیدا ہوا آپ کی عمر کیا تھی۔ فرمایا۔ "عشر سنین اواقل ۔ یعنی دس سال یا اس سے کم۔"

اُس سے معلوم ہوا کہ ام المومنین سیدہ صدیقہ نے رشتہ نبوی میں ہوش سنبھال لئے تھے۔ یعنی آپ دس سال کی ہو چکی تھیں۔ فرق صرف یہ ہوا کہ سیدہ صدیقہ قرآن حفظ فرماتی تھیں اور بخاری حدیث حفظ کرتے تھے۔ اور وہ بھی ایسی جھوٹی اور مہمل۔

چنانچہ طبری کا یہ بیان اس کی تصدیق کرتا ہے۔ کہ نبی صلعم اور ابوبکر کی تمام اولاد قبل بعثت پیدا ہوئی۔ (یعنی عہد جاہلیہ میں)

ان دو روایتوں سے بخاری کی پہلی روایتیں تکذیب ہو جاتی ہیں نیز اس روایت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ کی تصویر مخمل میں لپیٹ کر بھیجی تھی۔

آپ خود فرماتی ہیں۔ رسول اللہ ہر روز صبح و شام ہمارے گھر آتے تھے۔ مکہ میں پردے کا رواج نہ تھا۔ چھ سات سال کی بچیاں ہر جگہ ہر ملک میں گھومتی پھرتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ ان روایتوں کے ذریعہ نہ صرف سیدہ صدیقہ کی کردار کشی مقصود تھی۔ بلکہ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ پر بھی حملہ کرنا تھا۔

تاہم اب مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہو رہے ہیں۔ ہمارے پاس ایک کتاب عورت کا عائلی مقام آئی ہے۔ جس کی مصنفہ محترمہ ممتاز بیگم لکھتی ہیں۔

تاریخی شہادتوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی عمر نکاح کے وقت کم سے کم ۱۶ سال اور رخصتی کے وقت انیس سال تھی بعض روایتوں میں ۶ اور ۹ کے اعداد بیان ہوئے ہیں وہاں دہائی کا لفظ ساقط ہو گیا ہے یا کیا گیا ہے۔ یعنی سِتّہ عَشَرَ (۱۶) اور تِسعہ عَشَرَ (۱۹) کو صرف سِتّہ (۶) اور تِسعہ کر دیا گیا ہے۔ بعد کے آنے والوں نے آنکھ

بند کر کے اسے نقل در نقل ہم تک پہنچا دیا۔

مگر اس بنا پر علما کا یہ استدلال کہ اس روایت سے کمسن اور نابالغ لڑکیوں کے نکاح کا جواز نکلتا ہے۔ بالکل لغو اور لچر ہے۔ دنیا کی کسی تہذیب نے آج تک کمسن اور نابالغ لڑکیوں کے ساتھ جنسی کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ پھر اسلام کیسے دے سکتا ہے۔ اور وہ بھی خود پیغمبر اسلام کو۔ (نعوذ باللہ) (یہاں ہم اسقدر اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ جانور بھی اس فعل سے احتراز کرتے ہیں۔)

موصوف نے فٹ نوٹ میں چند حوالے بھی دیئے ہیں۔

حضرت عائشہ اپنی بہن اسماء سے دس سال چھوٹی تھیں۔ اسماء کا انتقال ۷۳ھ میں ہوا تو ان کی عمر سو سال تھی۔ اس طرح ہجرت کے وقت اسماء کی عمر ۲۷ یا ۲۸ سال تھی۔ اور حضرت عائشہ ۱۷ یا ۱۸ سال کی ہونگی آپ کی رخصتی ۲ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپ ۱۹ یا ۲۰ سال کی ہو چکی تھیں۔ مشکوٰۃ اسماء الرجال۔ عینی شرح بخاری ج ۸ ص ۱۹۶ استعاب ج ۲ ص ۴۴۴

نیز روایت ہے کہ حضرت عائشہ حضرت فاطمہؓ سے ۵ سال چھوٹی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کا انتقال ۱۱ھ میں ہوا تو ان کی عمر مشہور قول کے مطابق تیس سال اور کلبی کے مطابق پینتیس ۳۵ سال تھی۔ (استعاب ج ۲ ص ۷۵۲، اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۷۷)

اس طرح ہجرت کے وقت حضرت عائشہ کی عمر پندرہ ۱۵ یا بیس ۲۰ سال بنتی ہے۔ ۲ سال بعد رخصتی ہوئی تو اس وقت سترہ یا بائیس ۲۲ سال ہو جاتی ہے۔ (عورت کا عائلی مقام ص ۱۷۳)

اس مدلل اور مفصل بیان کے بعد مزید تبصرے کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ جو علماء اسے تسلیم نہیں کرتے ان کی کور باطنی پر حرف افسوس کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔

راستهٔ هجرت مکه تا مدینه منوره

عظمتِ صدیقہ

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اخلاقی و فکری بلندیوں کا اعتراف تو خود آپ کے دشمنوں کو بھی کرنا پڑا ہے۔ ہمارے عجمی مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ بے حد ذہین، فرض شناس اور مستقل مزاج شخصیت کی مالک تھیں آپ نے کاشانہ نبوی میں جلوہ افروز ہوتے ہی اپنے عظیم شوہر کی تمام دینی و دنیاوی ذمہ داریوں میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ اور بہت جلد وہ اعتماد حاصل کر لیا جو دوسروں کے لئے باعث رشک ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ اعتماد ایسا نہ تھا جسے ایسی باتوں سے ٹھیس لگتی۔ تاریخ نے ایسی کئی باتیں محفوظ کر لی ہیں۔ مثلاً یہ روایت سنئے:-

ایک دفعہ ازواج مطہرات نے فاطمہ بنت رسول اللہ کو سکھا کر بھیجا رسول اللہ اس وقت حضرت عائشہ کے گھر میں آرام فرما رہے تھے۔ فاطمہ نے کہا۔ یا رسول اللہ آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ ہمارے اور ابوبکر کی دختر (عائشہ) کے درمیان الفت و ہدایا و تحائف وغیرہ میں مساوات و برابری قائم کریں۔ عائشہ کہتی ہیں میں خاموش بیٹھی سنتی رہی رسول اللہ نے جواب دیا۔ "اے پیاری بیٹی جس سے میں محبت رکھتا ہوں کیا تم اس سے محبت نہیں رکھتیں"۔ فاطمہ نے کہا جی ہاں۔ آپ نے کہا "عائشہ سے محبت رکھو۔" اس جواب نے سب کی زبانیں بند کر دیں۔ "فاطمہ نے کہا خدا کی قسم میں پھر کبھی ایسی بات نہ کہوں گی۔"

سیدہ صدیقہ نے خانہ اقدس میں تشریف لا کر رسول اللہ کو امور خانہ سے مکمل طور پر بے فکر کر دیا۔ تاکہ وہ اپنی پبلک مصروفیات یعنی دینی و سیاسی معاملات میں دل جمعی و یکسوئی سے مشغول ہو جائیں۔

رسول اللہ نے اگلے چند برسوں میں سیدہ صدیقہ کو مکمل دینی تعلیم سے آراستہ فرمادیا۔ آپ دقیق مسائل پیش کرتیں ان پر مختلف پہلوؤں سے سوالات فرماکر اپنے شکوک رفع فرمائیں تاکہ جب دوسروں کو سمجھانا پڑے تو کہیں شک و شبہ نہ رہے۔

قرآن حکیم کا آپ نے گہری نظر سے مطالعہ فرمایا۔ اس میں فقہی نکات کو خاص طور پر زیر نظر رکھ کر تبادلہ خیال فرمائیں۔ اور اپنی معلومات بڑھائیں اسی مطالعہ اور غور کا نچوڑ آپ کے ان اقوال میں محفوظ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جو کہتا ہے کہ محمدؐ نے اللہ کو دیکھا ہے جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار (انعام ۱۰۴)

اسی طرح واقعہ معراج کے بارے میں آپ نے صحیح صورت حال بتادی کہ "معراج کا سفر ایک روحانی سفر تھا۔ نہ کہ جسمانی"

لیکن جب عجمی روایات نے قرآن پر غلبہ حاصل کر لیا۔ تو مسلمان بھی دیگر امتوں کی طرح گمراہ ہو گئے۔ اور غیر فطری محیر العقول دلچسپی کے قصوں پر اعتبار کرنے اور براق و دُلدل کو پوجنے لگے۔ حقائق سے انہیں سروکار نہ رہا انہیں جھوٹی باتوں میں لطف آنے لگا۔ تو ایرانیوں نے وہ فراہم کر دیں۔ ایک قرآن کی جگہ چھ چھ حدیث کی کتابیں دیں اور ہر ایک قرآن سے زیادہ ضخیم بنادی۔ اوپر سے قرآن العجم بھی دیا۔ جو مثنوی مانوی سے معنوی بن گیا ہے۔ یعنی موصوف درا صل مانی کے جانشین تھے۔

سیدہ صدیقہ کو معلوم تھا کہ آپ کا انتخاب کسی لئے ہوا ہے کہ آپ اسلام کی نشر و اشاعت کا کام انجام دیں۔ اور آپ نے اسی عزم سے قبول کیا۔ چنانچہ اپنی زندگی اپنے جلیل القدر شوہر کے عظیم مشن کو آگے بڑھانے کیلئے وقف فرمادی۔ یعنی آپ نے خود کو اُمت کی رہنمائی کے لئے اس طرح

تیار کیا کہ اگلے پچاس برس تک خلفائے اسلام، جلیل القدر صحابہ اور عام مسلمان مرد اور عورتیں اہم مسائل کی گرہ کشائی کے لئے آپ سے رجوع کرتے رہے۔

علم و ہدایت کا جو نور اس درس گاہ سے پھیلا، اُس نے عالم اسلام کو منوّر کر دیا۔ آپ کی تربیت و تعلیم سے فارغ ہونے والی بیٹیوں کی گود میں وہ نسل پروان چڑھی جو قیصر و کسریٰ کی وارث بنی۔ جس نے ایشیا اور افریقہ کے چپہ چپہ کو اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کے نعروں سے معمور کر دیا۔ اور ایمان کا نور پھیلا دیا۔ جس کی ایک رمق تیرہ چودہ سو سال بعد کسی میں آجاتی ہے۔ تو وہ سر سید احمد خاں، محمد علی جوہر، بہادر یار جنگ اور علامہ مشرقی یا علامہ محمود احمد عباسی بن جاتا ہے۔

چنانچہ امام مالک اور امام محمد (شاگرد ابو حنیفہ) نے فقہی مسائل میں آپ ہی کی روایتوں پر انحصار کیا ہے۔ جس سے مالکی و حنفی فقہ کو جو قبولیت عامہ حاصل ہوئی وہ دوسرے فرقوں کو حاصل نہ ہو سکی

قدرت کی ستم ظریفی ہے کہ دنیا میں سچائی کو پنپنے نہیں دیا جاتا، ہر نبی اور ہر مصلح کے کام کو مسخ کرنے والے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو اس مشن کی صورت بدل دیتے ہیں۔ موسیٰ اور عیسیٰ کی تعلیمات کے ساتھ بھی یہی ہوا اور رسول عربی کے اسلام کو تباہ کرنے کا کام بھی ابتدائی مراحل میں ہی شروع ہو گیا۔

ایرانی مجوسیوں کو امورِ اسلامیہ میں دخل دینے کا موقعہ ملا۔ تو انہوں نے اسلام، ہادیٔ اسلام اور ان کے تمام معتمدین و مقربین کی کردار کشی شروع کر دی۔

چنانچہ آپ نے دیکھا کہ سیدہ صدیقہ کے نکاح کے سلسلہ میں کیسی بیہودہ باتیں خود آپ کی زبانی مشہور کیں۔ گویا یہ کوئی عشق و محبت کی داستان تھی۔ اور بدبخت مسلمانوں نے پلٹ کر نہ پوچھا کہ ہمارے رسول کے اسوہ حسنہ کو مجروح کرنے کا حق کسی بخاری، ترمذی، طبری، ہشام یا ابن اسحاق کو کس نے دیا۔ ایک چھ سات سالہ بچی سے عشق فرمانے کا بہتان اللہ کے رسول کے شایان شان تھا یا نہیں۔ اور کیا واقعی وہ اپنی دوسری بیویوں کے ساتھ انصاف نہ کرتے تھے۔ یہ باتیں مسلمانوں کو قبول کر لینا جائز ہے یا نہیں۔

خود ہی کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا۔ نکاح کے لئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر کیا جاتا ہے۔

(۱) دولت (۲) حسن وجمال (۳) حسب ونسب (۴) تقویٰ (دینداری) مگر میں حکم دیتا ہوں کہ تم عورت میں تقویٰ تلاش کرو۔ یعنی صاحب ایمان عورتوں کو سب پر ترجیح دو۔

پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ خود کسی کمسن بچی کے حسن وجمال کے گرویدہ ہو جاتے۔ اور وہ بھی بڑھاپے میں جب کہ اپنی جوانی کے پچیس سال آپ نے سیدہ خدیجہ کے ساتھ گذار دیئے۔ اور کبھی کسی غیر عورت کی طرف نظر نہ اٹھائی۔

ہم چاہتے تھے کہ ام المومنین کے حالات زندگی تفصیل سے لکھتے مگر ہمارے مجوسی بزرگوں نے سوائے گندی باتوں کے جو آپ سے منسوب کی گئی ہیں کوئی اچھی بات نقل نہیں کی ہے۔ بلکہ جہاں عائشہ صدیقہ کو ہونا چاہیئے وہاں فاطمہ کو بٹھانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ہم اس مضمون کو تھوڑا سا بڑھانے کے لئے مرزا حیرت دہلوی کا بیان نقل کر کے ختم کرتے ہیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں :-

"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدہ صدیقہ کی پوزیشن خلافت صدیق اکبر، فاروق اعظم، اور عثمان غنی کے زمانے میں ایک معلم مودب اور مفتی کی تھی جس سے ہر اہم معاملے میں رجوع کیا جاتا ہے۔ تمام شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکی سیاست میں آپ نے کبھی دخل نہ دیا۔ صرف عورتوں کے حقوق سے متعلق جو مسائل پیدا ہوتے ان میں آپ ضرور دخل دیتی تھیں اور خلفاء کی لغزشوں کی اصلاح فرما دیتی تھیں

آپ بہت سی احادیث کی راوی تھیں۔ آپ سے جتنی حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان کی تعداد دیگر ازواج کی احادیث سے کہیں زیادہ ہے۔ حدیثوں کے اس طرح روایت کرنے اور طبقہ علماء میں ان کی مقبولیت نے یہ ضرور ثابت کر دیا ہے کہ صدیقہ اللہ کے دین کی اشاعت، اعلائے اسلام اور رسول ہادی اسلام کی سچی محبت سے سرشار ہو کر فرماتی تھیں۔

آپ کو دینی مسائل اور رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سچا عشق تھا۔ احادیث کے ایک بڑے حصہ کی ترویج صرف صدیقہ کے ذریعہ ہوئی ہے اس سے آپ کی خداداد ذہانت اور روشن ضمیری پر پوری روشنی پڑ جاتی ہے۔ (کتاب شہادت)

حسنِ انتظام: سیدہ صدیقہ ماہ شوال ۲ھ میں رونق افروز کاشانۂ نبوی ہوئیں۔ آپ نے گھر کا انتظام درہم برہم پایا۔ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ قاصی بوڑھی ہو چکی تھیں۔ امور دنیا سے کوئی تعلق نہ رہا تھا۔ گھر میں دو جوان بیٹیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ علی مرتضیٰ بھی جوان تھے مگر نیم معذور زید بن حارثہ رسول اللہ کے متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) تھے مگر وہ کاروبار تجارت کے سلسلے میں ہمیشہ باہر رہتے تھے۔ اب مدینہ آئے تو ان کا کام دقاعی ہو گیا۔ زید بن حارثہ کی بیوی سیدہ ام ایمن اور بیٹا اسامہ بن زید بھی اہل بیت رسول میں تھے

اس طرح اہل بیت رسول میں ایک اضافے سے کل ۸ کھانے والے یعنی زیر پرورش افراد تھے۔

آپ کو ایک علیحدہ کمرہ مل گیا۔ اسے لیپ پوت کر درست کیا دروازوں میں پردے ڈالے۔ بیٹھنے کے لئے فرش گدوں اور تکیوں کا انتظام کیا مختصر یہ کہ ایک عظیم ہادی دین و دنیا کی معاشرتی زندگی اسکے شایان شان کرنے میں جو کچھ درکار تھا منگایا۔ آپ کے پاس ہر طبقے کی عورتیں تشریف لاتی تھیں اپنے شوہر کے کپڑے دھونے صاف کرنے کی ذمہ داری پھٹے پرانے کپڑے درست کرنے اور پیوند لگانے کی خدمات انجام دینے لگیں۔ کیونکہ رسول اللہ کو صفائی بے حد پسند تھی۔ آپ ہمیشہ سفید کپڑے پسند فرماتے۔ آپ نے امت کو دن میں پانچ بار منہ ہاتھ دھونے کا حکم دیا۔ اور نماز میں لوگوں کا زینت کرکے آنا پسند فرماتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ صفائی اور پاکیزگی ایمان کا جزو ہے

نکاح فاطمہ: پھر آپ نے دیکھا کہ سیدہ فاطمہ کی عمر بیس پچیس سال کی ہو چکی ہے۔ اور علی مرتضیٰ کنوارے بیٹھے ہیں۔ شریعت کی رو سے چچیرے چچا سے نکاح ہو سکتا ہے۔ آپ نے تجویز پیش کی کہ ان دونوں کا نکاح کر دیا جائے۔ رسول اللہ اس مشورے پر حیران رہ گئے۔ آپ نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ کہ علی مرتضیٰ ایسی ذمہ داری کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ ورنہ آپ اپنی بیٹی کو اتنا کیوں بٹھا رکھتے۔ کہ دشمن انگشت نمائی کرتے۔ ان کو ام ابیھا کا نام دیتے۔ (اپنے باپ کی اماں)

ام المومنین نے کہا فاطمہ کے لئے ان سے بہتر شوہر تلاش کرنا لا حاصل ہے۔ رہا کمانے کا معاملہ تو آپ کی فلاحی ریاست میں جب کوئی ننگا بھوکا نہ رہے گا۔ ان کو بھی وظیفہ ملے گا۔

کہتے ہیں علی مرتضیٰ اس اعلان پہ بہت خوش ہوئے۔ اور بتلایا کہ میں

خود چاہتا تھا۔ مگر ناداری کی وجہ سے زبان پر نہ لا سکا۔ یہ نکاح ہجرت کے بائیسویں مہینے ہوا۔ یعنی سیدہ صدیقہ کے کاشانۂ نبوی میں آنے کے تین چار ماہ بعد ماہ صفر یا ربیع الاول ۳ھ میں۔ مگر ابن اثیر اسے کچھ اور رنگ دیتا ہے لکھتا ہے ۳ھ میں حسن بن علی اسی سال پیدا ہوئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ کی رخصتی حضرت علی کے گھر ہجرت سے بائیسویں مہینے کے شروع میں ہوئی اگر یہ صحیح ہے تو پہلی روایت غلط ہے۔ (یعنی حسن کی ولادت کی) کامل جلد ۲ ص ۲۲۵)

لیکن چند صفحات کے بعد پھر لکھتا ہے کہ اسی سال (۳ھ) میں ۱۰ رمضان کو حسن بن علی پیدا ہوئے، اور اسی سال حضرت فاطمہ کو حسین کا حمل ٹھہرا۔ وضع حمل اور استقرار میں پچاس دن کا فصل تھا۔ (ج ۲ ص ۲۹۶)

گویا ایک سال میں نکاح، ولادت، استقرار ثانی۔ تاریخی اہمیت کے حامل واقعات تھے۔ استغفر اللہ۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ آپ کے یہاں سب سے پہلے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام اُم کلثوم رکھا گیا۔ پھر حسن حسین اور زینب پیدا ہوئے۔

مجوسوں نے ان بچوں کو جلد پیدا کروا کر غیر انسانی مخلوق ظاہر کرنے کی کوشش شروع کی تھی۔

یہ بھی لکھتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ اس رشتے سے خوش نہ تھیں۔ آپ نے احتجاج کیا کہ میں علی سے بڑی ہوں۔ علی کی شکل و ہیئت ٹھیک نہیں۔ پھر علی آپ کے مولا مشہور ہیں (زیر پرورش یا آزاد کردہ غلام) جس پر رسول اللہ نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ یعنی جس کا میں بندہ یا غلام ہوں، علی بھی اسی کے بندے ہیں۔ میرے بندے نہیں ہیں[1]

چنانچہ روایت بنائی گئی۔

رسول اللہ مسجد میں تشریف لے گئے۔ اپنے اصحاب ابوبکر، عمر، عثمان کو بلایا اور فرمایا۔ ابھی ابھی جبریل نے اطلاع دی ہے کہ پروردگار مرا امر کردہ است کہ فاطمہ با علی تزویج نمائم بر زمین وشمارا گواہ می گیرم۔

(جلاء العیون) جس کی عربی یہ ہوئی۔ ان اللہ امرنی ان ازوج فاطمہ من علی۔ خدا نے آسمان پر نکاح کر دیا ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ اب زمین پر فاطمہ کا نکاح علی سے کر دوں۔ اور تمہیں گواہ بناؤں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس شادی کے اخراجات مدینہ کے ملک التجار عثمان غنی نے برداشت کئے۔ آپ نے علی مرتضیٰ کو جو اپنی زرہ گرو رکھنے آئے تھے۔ چار سو درہم دیئے۔ اور زرہ بھی بخش دی۔

اور سیدہ صدیقہ نے سیدہ ام سلمہ کے گھر میں ایک کمرہ صاف کر کے لیپ پوت دیا۔ اس میں بستر بچھا دیا۔ حریرہ بنا کر رکھا۔ پانی کا مشکیزہ ٹانگ دیا۔ اور رخصتی کروا دی۔

سیدہ ام سلمہ فرماتی تھیں۔ کہ فاطمہ کی شادی سے بہتر کوئی شادی میں نے نہیں دیکھی۔ دوسری روایت ہے کہ اگر علی پیدا نہ ہوتے تو فاطمہ کا کبھی نکاح نہ ہوتا۔

اس نکاح سے جہاں علی مرتضیٰ کی عزت افزائی ہوئی کہ تمام چچیرے بھائیوں میں سب سے افضل ہو گئے۔ (گھر دامادی کی وجہ سے) وہیں کچھ پریشانیاں بھی رہیں۔

کہتے ہیں فاطمہ بار بار ناراض ہو کر باپ کے پاس چلی جاتیں اور شکایات کر دیتیں جس سے تو تو میں میں سے مار پیٹ کی نوبت آ جاتی۔

لہ۔ ان روایات میں اشارہ ہے کہ آپ فاتر العقل تھیں۔ اور علی مرتضیٰ سے عمر میں چند سال بڑی تھیں۔

کبھی پانی بھرنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے۔ کبھی چکی پیسنے سے
مگر شوہر نامدار گھر سے نہ نکلتے باہر کا کام بھی بیوی سے کرواتے، کبھی شکایت ہوتی
کہ لونڈی کی گود میں پڑے ہیں۔ (رحماء بینہم ص ۱۴۰)

کبھی شکایت ہوتی کہ سوکن لا رہے ہیں وہ بھی ابو جہل کی بیٹی۔ اس
پر خود رسول اللہ یہ ظلم کرتے کہ بجائے تنہائی میں ڈانٹنے کے فوراً ابوبکر عمر
عثمان کو (گواہان نکاح) بلاتے اور کہتے اسکو سمجھاؤ۔ یا مسجد میں سب کے
سامنے کہتے۔ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو فاطمہ کو ایذا دیتا ہے وہ مجھے ایذا
دیتا ہے۔ ابوطالب کے بیٹے سے کہو ابو جہل کی بیٹی لاتا ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے
اس کے بعد جب فاطمہ نے لونڈی مانگی۔ رسول اللہ نے تسبیح فاطمی پڑھنے
کا مشورہ دیا۔ (بخاری)

کہتے ہیں انہی وجوہ سے رحلت رسول کے چند ماہ بعد ہی علی مرتضیٰ نے
سیدہ فاطمہ سے گلو خلاصی کر لی اور راتوں رات دفن کر دیا۔

یہ سب محبان اہل بیت کی روایات ہیں۔ اور جب وہ اپنے مولا مشکلکشا
اور جنت کی ملکہ کی شان میں ایسی باتیں لکھتے ہیں تو سیدہ صدیقہ کی شان میں
ان سگان اہل بیت نے کیا کیا نہ لکھا ہوگا۔ کہتے ہیں علی مرتضیٰ اس تمام مصیبت
کا ذمہ دار سیدہ صدیقہ کو ٹھہراتے تھے۔

نکاح ام کلثوم :۔ اسی سال ماہ ربیع الاول میں سیدہ ام کلثوم سب سے
چھوٹی صاحبزادی کا نکاح ملک التجار عثمان غنی سے طے کر دیا۔ جس سے وہ
ذو النورین قرار پائے۔ یعنی دوہرے داماد بن گئے۔ یہ بھی ام المومنین
سیدہ صدیقہ کی سلیقہ شعاری کا نتیجہ تھا کہ دونوں بیٹیوں سے رسول اللہ کو
سبکدوش کر دیا۔ انہی باتوں کی وجہ سے رسول اللہ آپ کی قدر فرماتے تھے
اور کسی کی شکایت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنی چہیتی بیٹی فاطمہ سے بھی آپ

کی شکایت قبول نہ کی۔ روایت گذر چکی ہے۔

نفرت کی وجہ :- عربوں سے ایرانیوں کی نفرت کی وجہ امام بخاری کی ایک حدیث قدسی سے معلوم ہوئی۔ دیکھئے حدیث نمبر ۱۲۸۴ ج ۲ باب حور عین۔

عمر بن خطاب نے اپنی وفات سے ایک سال قبل اہل بصرہ کو لکھا کہ مجوسی جسقدر آپس میں جزئیت و کلیت کا تعلق رکھنے والے ہوں۔ ان کا نکاح فسخ کروا کر تفریق کروادو۔

جزئیت و کلیت آپ کی سمجھ میں نہ آئے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ ایرانی چونکہ بڑے مہذب لوگ تھے۔ وہ ماں، بہن اور بیٹی سے نکاح کر لیتے تھے جو عارضی بھی ہوتا اور دائمی بھی اور ان کا مذہب اس کی اجازت دیتا تھا۔ عمر نے مداخلت فی الدین کر کے سب میں جدائی کروادی۔ ظاہر ہے یہ غصہ دلانے والی بات تھی۔ اسی لئے ایرانی عمر سے نفرت کرنے لگے۔ ہندوستانی شیعوں کی نفرت کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ مگر سیدہ صدیقہ نے ان کے ساتھ کیا برائی کی تھی۔ جو ان کی کردار کشی پر کمر بستہ ہو گئے۔ ہمارے کسی دوست نے ایک کتاب موسومہ "عائشہ اور خلافت علی" تالیف پیام شاہجہان پوری، بھیجی ہے۔ یہ کتاب سنی طریقے پر شروع ہو کر شیعہ انداز میں ختم ہوئی ہے۔ اور مولف صاحب آخر تک ہمارے لئے امام غائب بنے رہے۔ وہ کہتے ہیں چونکہ دوست کا دوست دوست ہوتا ہے اور دوست کا دشمن دشمن ہوتا ہے۔ علی مرتضیٰ کو عائشہ صدیقہ سے کچھ شکایات تھیں۔ اسلئے شیعان علی کو وہی شکایتیں سیدہ صدیقہ سے ہو گئیں۔ پیام صاحب سیدہ صدیقہ کی علی مرتضیٰ سے نفرت کی حسب ذیل روایتیں نقل فرماتے ہیں :-

۱ - حضرت عائشہ حضورؐ کے لئے کوئی اولاد پیدا کرنے سے قاصر رہیں حضرت علی نے اولاد پیدا کر کے حضورؐ کی نسل چلا دی۔ اسلئے حضرت عائشہ کو قلق تھا کہ افسوس میں آل محمد کی ماں نہ بن سکی۔ (بحوالہ صفحہ ۱۱۷)

۲ - ابوبکر کا انتقال ہوا تو حضرت علی نے انکی بیوی (اسماء بنت عمیس) سے نکاح کر لیا۔ یہ ام المومنین کو شاق گذرا کہ جو کل تک ان کا داماد تھا۔ وہ انکی سوتیلی ماں سے نکاح کر کے باپ بننے کا حوصلہ کرتا ہے۔ ایضاً

۳ - جب حضرت عائشہ پر افک یا بہتان لگا تو علی نے طلاق کا مشورہ دیا۔ ام المومنین نے یہ گستاخی کبھی معاف نہ کی۔

۴ - جنگ جمل میں ام المومنین علی کے مقابلہ میں آئیں، اسے حضرت علی معاف نہ کر سکے۔ ایضاً

پیام صاحب نے اپنے مسلک کے مطابق ان چاروں اتہامات کو رد کیا ہے۔ مگر اپنے انداز میں۔ اسلئے ہم پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ ہم اپنے انداز میں ان تمام لغو الزامات کا جواب دیں۔ یہ سوالات ہم سے بھی پوچھے جاتے ہیں۔

۱ - **آل محمد**:- پہلا الزام نسل نہ چلا سکنے کا ہے۔ اس کا جواب ہے کہ مسلمانوں کی نسل باپ سے چلتی ہے۔ ام المومنین بھی یہ بات جانتی تھیں (ہاں ان کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ ایرانی ازبکی نسل ماں سے چلتی ہے اور ولدیت مشکوک رہتی ہے) رسول اللہ کی نسل ماں سے چلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور مزدکی ذریت اسے سچ مان لیگی۔ ہمارے قرآن نے اس کا جواب پہلے ہی دیدیا تھا ما محمد ابا احد من رجالکم۔ یعنی رسول کو اولاد نرینہ اسلئے نہیں دی گئی کہ کہیں وہ نبوت کو بھی اپنے باپ کی میراث سمجھ بیٹھے۔

بنوت کی وارث صرف امت ہوتی ہے۔ اسی لئے موسیٰ اور عیسیٰ کو
بھی اولاد نرینہ نہ دی گئی تھی۔

۲ داماد باپ بن گیا:۔ سیدہ اسماء بنت عمیس حضرت علی مرتضیٰ
کی بھابی جان تھیں۔ ان کے بڑے بھائی جعفر کی بیوی جو آپ سے دس سال
بڑے تھے۔ بیوہ ہوئیں۔ تو ابوبکر صدیق نے سہارا دینے کے لئے اپنے گھر رکھ لیا۔
اور شرعی ضرورت سے نکاح کر لیا۔ جس سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا اس کا نام
محمد بن ابوبکر رکھا گیا۔ ابوبکر صدیق کی وفات پر موصوفہ سے حضرت علی نے نکاح
کر لیا۔ اس پر سیدہ صدیقہ کو ناراض ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نکاح
سے تو خود علی مرتضیٰ کو پریشانی ہوئی۔ روایت سنئے۔

ایک دن علی و اسماء بنت عمیس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے بچے آپس میں لڑنے لگے
محمد بن جعفر کہتا تھا۔ میرا باپ شہید ہوا وہ زیادہ عزت والا تھا۔ محمد بن ابوبکر کہنے لگا
میرا باپ پہلا خلیفہ تھا۔ میں زیادہ عزت والا ہوں۔ اور محمد (یحییٰ) بن علی نے
کہا۔ میرا باپ امام بھی ہے اور خلیفہ بھی میں زیادہ عزت والا ہوں۔

یہ مقدمہ علی کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے اسماء سے کہا تم ہی فیصلہ کرد
اسماء نے کہا جعفر بن ابوطالب سے بہتر جوان میں نے نہیں دیکھا۔ اور ابوبکر
سے اچھا کوئی بوڑھا دیکھنے میں نہیں آیا۔

علی نے کہا پھر تم نے میرے لئے کیا چھوڑا۔ فقالہا علیٌ فما البقیتِ لنا
(طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۰۸)

واضح رہے کہ سیدہ اسماء بنت عمیس سید الشہداء امیر حمزہؓ کی بیوی سلمہ
بنت عمیس اور حضرت عباس کی بیوی اُم الفضل اور ام المومنین سیدہ میمونہ
کی بہن تھیں۔ جعفر طیار بن ابوطالب سے آپ کے دو بیٹے تھے۔ عبداللہ بن جعفر
اور محمد بن جعفر۔ حضرت ابوبکر سے ایک لڑکا ہوا، اس کا نام محمد بن ابوبکر رکھا گیا
تھا۔ مگر غالباً راویوں نے مذکورہ

مذاق گھڑنے کیلئے اسے محمد بن علی بنا دیا۔

۳ - **واقعہ افک** :- یہ ایک بے بنیاد الزام ہے جو مجوسی مفسرین نے سیدہ صدیقہ کے سر تھوپ دیا ہے۔ قرآن میں کسی پاکدامن خاتون کا ذکر ہے۔ اور ایسی صورت میں بہتان لگانے والوں کو اسی کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر یہ ام المومنین کا معاملہ ہوتا۔ تو یقیناً علی مرتضیٰ کے بھی کوڑے لگائے جاتے کیونکہ شانِ نزول میں ان کا نام بھی شامل ہے۔

ہم نے بتلایا ہے کہ ابن اسحاق نے انجیل کے قصوں کو سامنے رکھ کر اپنی کتاب تیار کی تھی۔ اسے بی بی مریم کے واقعہ کے مقابلے میں ایک روایت اہل بیت رسول میں درکار تھی۔ بدبخت نے سیدہ صدیقہ کو ہدف بنا دیا۔ اور علی مرتضیٰ کو بہتان لگانے والوں میں شامل کر دیا۔

اس میں جہاں تک علی مرتضیٰ کے مشورے کا دخل ہے۔ وہ انہیں مستوجب سزا ٹھہراتا ہے۔ اور چونکہ سزا نہیں دی گئی۔ یہ واقعہ اُم المومنین کا نہ تھا۔ مجوسی زادے نے محض علی مرتضیٰ کی اہمیت بڑھانے کے لئے ان کا نام لکھ دیا اور نہ سمجھا کہ کبھی علی کا بھی احتساب ہوگا۔

۴ - **بی جمالو** :- چوتھا الزام ہے کہ آپ نے جنگ جمل کی قیادت کی اور علی کے مقابلے میں آنے کی جسارت کر ڈالی۔ گویا علی جو سوتیلے داماد سے سوتیلی ماں کا شوہر نیکہ جعلی باپ بن گئے تھے۔ . . . . اُم المومنین سے بلند شخصیت کے مالک تھے۔ یہ محض مزدکیوں اور مانوی روافض کی فکر ہو سکتی ہے۔ مگر افسوس کہ انہی سے گمراہ ہو کر ہندی مسلمان جو نیم ہندو اور نیم رافضی ہوتا

ہوتا ہے آپ کو بی جا لو کہنے لگا۔ یعنی جنگ جمل کی ہیرو۔

اس سلسلے میں امام بخاری نے بھی ایک حدیث لکھی ہے۔

ابوبکرہ نے کہا جنگ جمل کے دن میں، عائشہ کے لشکر میں تھا۔ قریب تھا کہ مسلمانوں سے لڑتا (گویا علی کے ساتھ مسلمان تھے اور عائشہ کے ساتھ کفار تھے) کہ مجھے وہ قول رسول یاد آگیا جو آپ نے کسریٰ کی بیٹی کے تخت نشین ہونے کی خبر سنکر فرمایا تھا۔ کہ بھلا وہ قوم کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے جو اپنا کام ایک عورت کے حوالے کر دے۔ (کتاب المغازی)

پس ابوبکرہ بھی جا کر علی کے مسلمانوں میں مل گیا۔ عبداللہ بن سبا اور مالک اشتر کے ساتھ۔ مگر معلوم نہیں فاطمہ کو جنت کی ملکہ ماننے والوں کا کیا حشر ہوگا۔ دنیا میں تو وہ منہ اور سینہ پیٹ پیٹ کر اپنا حلیہ بگاڑ لیتے ہیں۔ آخرت میں جو ہوگا وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے بعض لوگ اسے علی کا کلام کہتے ہیں۔

تجملتِ تبغلتِ ولو عشتِ تفیلتِ	لک تسع من الثمن وبالکل تملکتِ
تم اونٹ پر چڑھیں خچر پر چڑھیں جی گئیں تو ہاتھی پر بھی چڑھو گی۔	تمہارا حصہ آٹھویں کا ۱/۹ تھا (ورثۂ نبی میں) مگر تم نے کل پر قبضہ کر لیا۔

اور یہ نہایت صحیح کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ام المومنین کو پیدا ہی اس شان و تجمل سے کیا تھا کہ آپ ہمیشہ اعلیٰ درجہ پر فائز رہیں۔ شاہ مقوقس نے ایک خچر (دُلدل) رسول اللہ کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا۔ جس پر شہسوار ہی سوار ہوسکتے تھے۔ ممکن ہے وہ آپ کی سواری میں رہا ہو۔ آخر شہنشاہ عرب و عجم کی ملکہ تھیں۔

البتہ ہاتھی پر سوار ہونے کی دعا جو علی مرتضیٰ نے کی تھی وہ خود ان کی اپنی غلطی کی وجہ سے پوری نہ ہوسکی۔ اگر علی مرتضیٰ نے دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل

نہ کر دیا ہوتا تو یقیناً قصر اقدس پر ہاتھی بھی جھومتا۔

یہاں تک ورثہ میں آٹھویں کا نواں حصہ دینے کی علی مرتضیٰ کی خواہش تھی وہ ان کی تنگ نظری پر دال ہے۔ جبھی تو آپ کے شیعوں نے آپ کو مرتضیٰ کا خطاب دیا تھا۔ (یعنی تنگ دست مزدور) مگر ہم کو تو یہ معلوم ہوا ہے کہ ام المومنین نے فرمایا تھا کہ نبی کوئی ورثہ نہیں چھوڑتے۔ ان کا ورثہ امت کا حق ہو جاتا ہے۔ یعنی اپنا ½ حصہ بھی امت کو بخش دیا۔

ہاں ایک چیز نبی کی آپ کو مل گئی۔ مگر اس کا دینے والا اللہ تھا۔ اور وہ تھی دینی فکر وہ ساری کی ساری آپ کے حصہ میں آئی۔ جب خلفائے اسلام اس اسلامی ریاست کے سیاسی استحکام میں معروف تھے اور علی ان کے خلاف سازشوں کے جال بچھا رہے تھے۔ ام المومنین صرف اشاعتِ دین میں معروف تھیں۔

جنگ جمل کا پس منظر: تاریخ کے مطالعے سے جو باتیں ہماری سمجھ میں آئی ہیں وہ ایک دوسرا ہی منظر پیش کرتی ہیں۔ افسوس کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا نہ ہوئے جو سچ کو تلاش کرتے۔ ہمیں ملنے ملے تو مُلا دو پیازہ اور مُلا مودودی جیسے شیعیت کے پروردہ۔ جو بین السطور پڑھنے سے عاری تھے۔ ورنہ وہ بھی دیکھتے کہ اصلیت کیا سے کیا بنا دی گئی ہے۔

ام المومنین حج کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ مکہ میں ان کو اطلاع ملی کہ شیعان علی نے مدینہ پر یلغار کر کے خلیفہ معصوم عثمان غنی کو شہید کر دیا ہے۔ اور علی کو خلیفہ بنا دیا ہے۔ آپ نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ اور صبر کیا کہ بڑا داماد مارا گیا، اور چھوٹا داماد خلیفہ بن گیا۔ بہرحال خلافت گھر میں رہی حکومت کیلئے ایسے خون خرابے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ بیٹے باپ کو قتل کر دیتے ہیں، بھائی بھائی کو۔

پھر اطلاع آئی کہ باغیوں نے علی پر غلبہ پالیا ہے، انہیں اپنے ساتھ کوفے لے جا رہے ہیں۔ کیونکہ علی مرتضیٰؑ کی ڈھال کے بغیر ان کی جان کی خیر نہیں کوفے کا گورنر انہیں پکڑ کر قتل کر دے گا۔ اسلئے چاہتے ہیں کہ علی مرتضیٰؑ کو اپنے ساتھ رکھیں۔ اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے ان کو استعمال کریں۔ یہ خبر بھی ام المومنین کے لئے کوئی اہمیت کی چیز نہ تھی۔ انہیں سیاست سے کوئی دلچسپی نہ تھی، خلیفہ کی مرضی ہے جہاں چاہے جائے اور رہے: انہوں نے فرمایا

پھر جب طلحہ زبیر و مروان کے ساتھ بصرہ کا گورنر عبداللہ بن عامر اور یمن کا گورنر یعلی بن امیہ پہنچے اور بتایا کہ علی مرتضیٰؑ نے باغیوں کے مشورے سے انکو برطرف کر دیا ہے۔ اور امیر معاویہ کی برطرفی کے بھی احکامات بھیج دیئے ہیں۔ اور ان کی جگہ باغیوں کی پسند کے گورنر بھیجے ہیں۔

ام المومنین نے فرمایا اس میں کیا ہرج ہے گورنر تو بدلتے ہی رہتے ہیں لوگوں نے کہا، ام المومنین اس کے دُور رس نتائج پہ آپ کی نظر نہیں ہے یہ مدینۃ الرسول کی اہمیت ختم کرنے، بلکہ اسے اجاڑنے کا منصوبہ ہے۔

آپ کے دار الہجرت اور آپ کے شوہر اللہ کے رسول کی ابدی آرام گاہ کو جس کی خاطر عثمان غنی نے اپنی جان دیدی، نہ تلوار اٹھائی نہ دار الخلافہ چھوڑنے پہ راضی ہوئے۔ یہ لوگ عجم کا ایک بازار شہر بنانا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر مدینہ میں نہ کبھی کوئی سفیر آئے گا نہ گورنر، نہ خراج، زکوٰۃ و جزیہ اکنافِ عالم سے وہاں آکر جمع ہوگا۔ نہ خلیفہ حل مسائل کے لئے یا فتویٰ پوچھنے کے لئے ام المومنین کو سلام کرنے آئے گا۔ اس شہر کی رونق ختم ہو جائے گی۔ اور کوفے کی اہمیت بڑھ جائے گی۔ سنا ہے کہ علی مرتضیٰؑ اپنا گھر بار اور اثاثہ چھوڑ کر باغیوں کے ساتھ جا رہے ہیں۔ یہ سنکر ام المومنین پریشان ہو گئیں۔

فرمایا یہ تو بہت بُرا ہوا۔ معاویہ کو بلاؤ اور علی کو روکو۔"

کہا گیا آپ جانتی ہیں علی مرتضیٰ معاویہ کو پسند نہیں کرتے۔ وہ آئے تو جنگ چھڑ جائے گی۔ اور یہ جنگ عراق و شام کی ہوگی۔ جس سے دنیائے اسلام تہ و بالا ہو جائے گی۔ معاویہ رومیوں سے برسرِ پیکار ہیں وہ دمشق نہیں چھوڑ سکتے۔

آپ نے پوچھا پھر کیا کیا جا سکتا ہے۔ عبداللہ بن عامر نے کہا۔ اس وقت علی حیدر کے ساتھ کل تین ہزار کوفی باغی ہیں۔ ہم آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیں، اور اُن کو باغیوں سے چھڑا لائیں۔

ام المومنین نے پوچھا تمہارے پاس فوج کہاں ہے۔ عامر نے کہا ہم بصرہ جا کر اپنے حامی جمع کریں گے اور وہاں سے آگے بڑھ کر علی مرتضیٰ کا راستہ روک لیں گے۔ فرمایا تجاوُز انتظار کس کا ہے۔

عرض کیا گیا اس وقت ہم میں کوئی ایسا بزرگ نہیں ہے جس کا سب احترام کریں۔ اور جس کی بات عوام بھی مانیں۔ آپ نے فرمایا پھر میں کیا کر سکتی ہوں۔

کہا گیا آپ ہمارے ساتھ ہو جائیے بس ہم سب کچھ کر لیں گے۔

چنانچہ آپ نے بالکل اسی طرح جیسے ۱۹۶۴ء میں فاطمہ جناح نے ہمارے بوگس فیلڈ مارشل کے خلاف متحدہ محاذ کی قیادت قبول کر لی تھی۔ ان لوگوں کی قیادت کی حامی بھر لی۔ مگر باغیوں کا سردار مالک اشتر بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے فوراً کوفہ جا کر بیس ہزار جوان اپنے ساتھ لیے اور علی مرتضیٰ سے آملا۔

شیعانِ علی نے بصرہ پر حملہ کر دیا۔ روایت ہے کہ اس جنگ میں علی مرتضیٰ کے کُل ۹۰۰ جوان کام آئے۔ اور انہوں نے ام المومنین کی فوج کے ستر ہزار غازیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ ظاہر ہے یہ مجوسی دماغ کی اختراع ہے۔ کربلا میں وہ لاکھوں شامیوں کو قتل کروا سکتے تھے۔ صفین میں بھی ایسے ہی ہاتھ دکھائے

مگر سب خیالی۔ ام المومنین کے ساتھ کل تین ہزار مجاہد تھے۔ ان کو یہ علم نہ تھا کہ کوئی مجوسی و یہودی اس موقعے سے فائدہ اٹھانے کے لئے کیل کانٹے سے لیس تیار بیٹھے ہیں۔ اور ان کو علی مرتضیٰ کی تائید حاصل ہے۔ یعنی علی مرتضیٰ عربوں کے بجائے عجمیوں کے تعاون سے خلافت کرنا چاہتے ہیں۔

طلحہ و زبیر اس حملے میں شہید ہو گئے۔ دونوں ستر اسی سال کے بوڑھے تھے۔ اُم المومنین کو گرفتار کر لیا گیا۔ باقی سپاہی اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے.....

کہتے ہیں علی مرتضیٰ نے چند سپاہیوں کی نگرانی میں ام المومنین کو مدینہ بھیج دیا۔ ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ وہ سپاہی دراصل عورتیں تھیں جو مردانہ لباس میں ساتھ بھیجی گئی تھیں۔ مدینہ میں جب انہوں نے لباس بدلا تو ام المومنین علی کو دعائیں دینے لگیں۔ کہ انہوں نے امت کی ماں کا پورا احترام کیا۔

پھر علی مرتضیٰ کوفہ چلے گئے۔ اور نئے دار الخلافہ سے اسلامی دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔ جو جلد ہی پریشان ہو گئے۔ اور ان کی اگلی نسلوں کے لئے بھی فیصلہ کن ثابت ہوئے۔ یعنی کسی علوی کو کبھی حکومت نصیب نہ ہوئی۔ یہ بحث ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین کی ایک شکایت بھی نقل کی جائے۔ جو انہیں علی مرتضیٰ سے ہو گئی تھی۔ یہ مضمون آپ مرزا حیرت دہلوی کی کتاب شہادت میں دیکھ سکتے ہیں۔ جسے ہم نے شائع کرا دیا ہے۔

عائشہ صدیقہ اور علی مرتضیٰ

مرزا حیرت لکھتے ہیں۔ مدینہ میں جو کچھ ہوا عائشہ صدیقہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انہیں حضرت علی کی اس کارروائی پر کہ انہوں نے عائشہ صدیقہ کے سوتیلے بھائی محمد کو قتلِ عثمان کے لئے بیت خلافت میں بھیجا سخت ناگوارہ گذرا۔ مانا کہ محمد بن ابوبکر حضرت علی کا پروردہ تھا۔ جب علی نے اسکی ماں سے نکاح کیا محمد کی عمر صرف تین سال تھی۔

اس قسم کی سبک حرکت کو نہ صرف صدیقہ بلکہ کل اہلِ مدینہ نے حقارت اور افسوس سے دیکھا۔ صدیقہ کا چونکہ وہ سوتیلا بھائی تھا۔ اس لئے انہیں جتنا بھی صدمہ ہوتا کم تھا۔ (ص ۶۲ھ)

یہ تو رہی سیدہ صدیقہ کی ناراضگی کی وجہ۔ اب ذرا دنیائے اسلام کی شکایتوں کا حال بھی موصوف کی زبانی سُن لیجئے۔

بیزاری کی وجہ:- حضرت علی خلیفہ تو بیشک بن گئے تھے۔ مگر خلیفہ بن جانے سے دن کا آرام اور رات کی نیند بالکل ختم ہو گئی۔ آپ اسلام میں پہلے خلیفہ ہوئے ہیں۔ جن کے عہد میں سب سے اوّل رسولِ کریمؐ کے صحابہ میں تلوار چلی۔ آپ پر پریشانیوں کا دروازہ کھُل گیا۔ اور تمام اسلامی صوبوں میں مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔

مدینۃ النبی (رسول اللہ کی ابدی آرام گاہ) سب سے پہلے آپ کا مخالف بنا اور مخالفت کی حد یہاں تک پہنچی کہ آپ کو ایسی جلدی میں وہاں سے نکل جانا پڑا کہ آپ اپنا سامان بھی ساتھ نہ لا سکے۔ عام بیزاری جو مسلمانوں کو آپ سے تھی۔ وہ صرف اس وجہ سے زیادہ تھی کہ عثمان کے قاتل آپ کے مصاحبین و مشیرانِ خاص

کے زمرہ میں تھے۔

انہی خبروں سے حجاز، عرب، شام اور ممالک محروسہ میں ایک آگ سی لگ گئی۔ لوگ غصہ اور غضب سے حضرت علی کی ان حرکات کو دیکھنے لگے۔ ان حالات میں ان کی اطاعت کس طرح گوارہ کرتے۔

پھر عائشہ صدیقہ تو ابتدائے خلافت سے حضرت علی کے ہتھکنڈے بغور دیکھ رہی تھیں۔ محض خلافت حاصل کرنے کے لئے جس طرح انہوں نے فاطمہ زہرا کو تکلیف دی۔ انہیں تخفیف کیا۔ آجتک کسی غیور شوہر نے ایسا نہ کیا ہوگا۔ ووٹ حاصل کرنے کے لئے انہیں مہاجرین و انصار کے پاس بھیجا۔ وہ آدھی آدھی رات تک ووٹ حاصل کرنے کے لئے پھرتی رہیں۔ مگر انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ خود بی بی فاطمہ کی سب عزت کرتے تھے۔ مگر حضرت علی سے کوئی خوش نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ علی ایک ناتجربہ کار اور امور جہانداری سے محض ناواقف شخص ہیں۔ اگر انہیں خلیفہ بنا دیا گیا تو بس اسلام کا اللہ والی ہے۔

عباس اپنے چچا سے ان کا جھگڑا۔ دربارِ فاروقی میں چچا کے ساتھ بدزبانی سے ہمکلام ہونا۔ پھر خلافت حاصل کرنے کے لئے جائز و ناجائز وسائل سے کام لینا سب کو یاد تھا۔

فاروق اعظم کے آتش پرست قاتل کے ساتھ ان کا علاالعلی سازش میں شریک ہونا بھی سب جانتے تھے۔ یہ باتیں ایسی نہ تھیں جن پر پردہ پڑ سکتا۔ چنانچہ انہیں حرکتوں نے مسلمانوں کی نظروں میں حضرت علی کو بہت سبک و حقیر بنا دیا تھا

پھر تمام مہاجرین و انصار کے احتجاج کے باوجود عبیداللہ بن عمر کے قتل پر زور دینا۔ اور جب اس پر خلیفہ راضی نہ ہوا، تو خفا ہو کر دربار سے چلا جانا اس کے بعد خلیفہ بنتے ہی عبیداللہ بن عمر کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دینا یعنی ایک آتش پرست (ہرمزان) کے قصاص کے لئے اتنا زور دینا۔ مگر عثمان

عثمان غنی کے قاتلوں سے قصاص چاہنا تو در کنار ان کو اپنے دربار میں عزت کی جگہ بٹھانا، اور شرفا قریش پر انہی سے زور ڈلوا کر بیعت حاصل کرنا۔ نفرت انگیز تھا۔

اس سے پہلے صدیق اکبر کی خلافت میں ایک پوشیدہ اور سازشی انجمن بنانا۔ اور شب کو اپنے گھر میں ان سب سازشیوں کو جمع کر کے خلافت حقہ کے قلع قمع کی تدبیریں کرنا۔

یہ سب باتیں ایسی نہ تھیں جو کسی سے چھپی رہتیں۔ ہر شخص انہیں اچھی طرح جانتا تھا۔ اور حضرت صدیقہ تو ان واقعات سے خوب واقف تھیں۔ اور متاثرہ بھی ہوں گی۔ اسلئے جب پانی سر سے گذر گیا۔ اور صدیقہ یہ واقعات نہ دیکھ سکیں تو وہ مکہ چلی گئیں کہ زیارت بھی ہو جائے اور ان ناگوار واقعات کے سننے سے نجات ملے۔ (کتاب شہادت ص ۴۴۶)

خلاصہ

یہ تھی جنگِ جمل کی کہانی جو محض سیدہ صدیقہ کی کردار کشی کیلئے مرتب کی گئی تھی۔ ہمارے علماء بزرگان دین کی معرفت یہ عالم اسلام میں پھیل گئی۔ اور ہم ہزار سالہ دور ضلالت و گمراہی میں چلے گئے۔ امت کی ماں کو بی جمالو سمجھنے لگے جو بھُس میں چنگاری ڈال کر تماشا دیکھتی تھیں۔

اب مسلمانوں کی نشاطِ ثانیہ کا دور آیا ہے۔ ان کو عقل و فہم استعمال کرنے کی توفیق ملی ہے۔ تو وہ حقائق کی تلاش میں نکل پڑے ہیں۔ وہ محسوس کر رہے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ نے واقعی امت کی ماں ہونے کا حق ادا کر دیا۔ اور اسلام کو مجوسیوں کے شر سے بچا لیا تھا۔ آپ کا اقدام صحیح تھا۔ یعنی جب علی مرتضیٰ نے اپنے ایرانی حامیوں کی مدد سے۔ عثمان غنی کے بڑھاپے اور شرافت سے فائدہ اٹھا کر خلافت پر قبضہ کر لیا۔ ام المومنین نے اس غداری اور سازش سے پردہ اٹھا دیا۔ یہ سب حقائق اللہ تعالیٰ نے دشمنوں اور دوستوں کے ذریعہ تاریخوں میں محفوظ کر دیئے۔ اُن کو سمجھنے کا وقت آیا تو لوگ انہیں الم نشرح کر رہے ہیں۔

اگر انگریزوں نے مسلمانوں کو علم کی روشنی نہ دی ہوتی تو یہ دن دیکھنے کی نوبت نہ آتی۔ مغلوں کے دور میں شاہ ولی اللہ نے قرآن کا ترجمہ کر دیا تو ان کے انگوٹھے توڑ ڈالے گئے۔ کہ آئندہ کچھ نہ لکھیں۔

مگر اب مسلمان حاکموں کو اس گمراہی کی طرف لوٹنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ ایوب اور بھٹو کے حشر سے انہیں سبق لینا چاہیئے۔ دونوں علی ازم اور صیہونیت سے خائف تھے۔ مگر اب یہ تحریکیں خود اپنے گڑھ ایران میں دم توڑ رہی ہیں۔ ہندوستان، انڈونیشیا، روس اور چین میں دفن کر دی جائیں گی۔ اللہ نے ان کے دن پورے کر دیئے ہیں۔

علی مرتضیٰ نے ایرانی مجوسیوں کی مدد سے حکومت حاصل کی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف نہ کیا۔ خود ان کے ہی ایک پرستار کے ہاتھوں انہیں ختم کر دیا۔ پھر حکومت کبھی انکی نسل میں نہ آسکی۔ یہ ام المومنین کی بد دعا تھی۔

ام المومنین علی مرتضیٰ کے بعد ۱۸ سال زندہ رہیں۔ اور خلیفۂ رابع سیدنا معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہم اسی عزت و احترام سے ہر موقعہ پر ام المومنین سے مشورہ کرتا رہا۔ جیسے خلفائے ثلاثہ کرتے تھے۔ اور آپ کی عظمت و مرتبہ کو بحال کر دیا۔ جو ایک ناخلف بیٹے نے سرتابی کر کے مجروح کی تھی۔

ام المومنین نے اپنی ساری زندگی۔ اپنے روحانی بیٹوں اور بیٹیوں کی تعلیم و تربیت میں گذاری۔ اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داری آپ پر ڈالی تھی اس میں کوئی کوتاہی یا کمی نہ آنے دی۔ اپنی پاک و طیب زندگی کا ہر لمحہ نشر و اشاعت اسلام کیلئے وقف رکھا۔

۵۸ ھ میں واقعۂ کربلا سے ۱۰ سال پہلے ۶۵ یا ۶۶ سال کی عمر میں آپنے وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں اپنی دیگر بہنوں (امہات المومنین) کے ساتھ پیوند خاک ہوئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

کراچی ۱۹۷۹ء عزیز احمد صدیقی